یادِ امام اہل سنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز

سہ ماہی ممبئی

افکار رضا

جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء جلد ۸ شمارہ ۳-۴ (۲۸-۲۹) ربیع الاوّل تا شوال المکرم ۱۴۲۳ھ

امام احمد رضا کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے عشق رسول ﷺ کا پرچار کر کے مسلمانوں کو اتباع سنت کی طرف راغب کیا اور ان کی دینی اقدار اور عقائد و عقیدہ کی حفاظت کے لیے مضبوط حصار مہیا کیا۔ اعلیٰ حضرت نے تشدد کی سیاست کی بجائے مسلمانوں کو محبت و اخوت، یگانت اور رواداری کی طرف دعوت دی، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ملک اور بیرون ملک تشدد کے جو بھی واقعات ہو رہے ہیں ان میں امام احمد رضا کے مسلک سے منسوب کوئی بھی شخصیت، ادارہ، مدرسہ یا تنظیم ملوث نہیں پائی گئی۔

سید وجاہت رسول قادری، صدر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، پاکستان

تحریک فکر رضا

۱۶۷، ڈِمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

سہ ماہی افکارِ رضا ممبئی

جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء / ربیع الاوّل تا شوال المکرم ۱۴۲۳ھ ○ جلد ۸ شمارہ ۳-۴ (۲۸-۲۹) مشترکہ شمارہ

مدیر: محمد زبیر قادری

منیجر: محمد اسحٰق برکاتی

Distributed in Pakistan By :

Markazi Majlis-e-Riza

P.O.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By :

THE ISLAMIC TIMES

C/o. 138, Northgate Road,

Edgeley, Stockport, SK3 9NL ENGLAND

Distributed in Australia By :

SHEHZAD ALI

P.O. Box: 51, Lumea 2170,

NSW, AUSTRALIA

Correspondence Address: رابطہ کا پتہ:

Tehreek-e-Fikr-e-Reza

167, Dimtimkar Road, Nagpada, Mumbai - 400 008.

Office Address: آفس کا پتہ:

95, Undria Street (Chowki Mohalla), Mumbai - 400 008

فون: 2343 9863 فیکس: 2388 9786

Website: www.fikreraza.net

Email: editor@fikreraza..net

پرنٹر پبلشر: محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 400 008 سے چھپوا کر دفتر 167، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 400 008 سے شائع کیا۔

متوسلینِ رضا

اعتذار

محترم قارئین کرام! السلام علیکم، افکارِ رضا کا موجودہ شمارہ پھر بہت تاخیر سے اور مشترکہ شائع ہورہا ہے۔ اس تاخیر میں کچھ تو ہماری کوتاہی کو دخل ہے اور کچھ ناسازگار حالات سے ہم آپ کو رسالہ بروقت پیش نہ کرسکے۔ ہم اپنے قارئین سے شرمندہ ہیں اور اُن سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری اس کوتاہی کو معاف فرمائیں اور ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ رب تعالیٰ ہمیں ثابت قدمی سے افکارِ امام احمد رضا کی ترویج و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ شکریہ

حمد

از : ابراہیم اشکؔ

تری ذات، ذات صفات ہے، ترے دم سے نظم حیات ہے، تری حمد سب کی نجات ہے
ترا ذکر، کر نہ سکے زباں، تری فکر کر نہ سکے جہاں، تری عظمتوں میں وہ بات ہے

مرا سجدہ ہے تری بندگی، تری بندگی مری زندگی، کہ یہ زندگی ہے کمال کی
مری سانس ہے، ترا نام ہے، مری آس ہے ترا جام ہے، یہی جام قند و نبات ہے

ترے نور کا وہ ظہور ہے، کہ جہاں پہ گم یہ شعور ہے، جو نہ دیکھے اس کا قصور ہے
تو حدودِ عقل سے دور ہے، ترا جس کسی کو سرور ہے، اسے رنج و غم سے نجات ہے

تو کریم ہے، تو رحیم ہے، ترے دم سے بادِ نسیم ہے، تری ذات سب سے عظیم ہے
ترے حکم سے ہے یہ بحر و بر، ہے ہر ایک شے میں ترا ہنر، کہ ترے ہی فن کو ثبات ہے

تری شان جلّ جلالہٗ، ترا حرف حرف کمالہٗ، سرِ عرش و فرش ہے تو ہی تو
ہے صدا صدا تری گفتگو، ہے ادا ادا تری جستجو، ترا حسن سب ہی کے ساتھ ہے

یہ ستارے شمس و قمر بھی، ہیں ترے ہی زیر اثر بھی، ترے دم سے شام و سحر بھی
تو ہے سب کے راز کا راز داں، کہ ہر ایک ذرہ عیاں عیاں، تری بات اور ہی بات ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حمد (غیر منقوطہ)

دل کا احوال کہا ہے اس سے	سارے سکھ دکھ کی دوا ہے اس سے
وہ ہے کامل کہ کمال ہے اس کا	حکم حاکم کی صدا ہے اس سے
لمحے لمحے کا وہی ہے حاکم	اک صدی لمحہ ہوا ہے اس سے
گرمیِ راہِ عمل دے ہم کو	سلسلہ، مہر و دعا ہے اس سے
ہر عطا رحم و کرم کی آمد	ہر ادا کوئی عطا ہے اس سے
وہ مکمل ہے، وہی ہے طاہر	گل سے مہکے، وہ ہوا ہے اس سے

حمد اردوئے معرّا والی
دل کہ مسرور ہوا ہے اُس سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راہِ عمل

از: سید سبطین حیدر برکاتی
سجادہ نشین، آستانۂ برکاتیہ، مارہرہ شریف

الحمد لله المتفرد البقاء والقدم. الموجد الاشياء من العدم. المقدر الارزاق والقسم. احمدهٔ علیٰ اجل الغائی والنعم. حمداً یبقاء بعد فناء الامم. ثم الصلوۃ و السلام علی شفیع الامم. و علی آله و صحبه الذین کانو سفینة فی بحر الغمم. و بعد!

کسی بھی کام کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لیے دو طرح کے اسباب درکار ہیں۔
(۱) ظاہر (۲) باطن۔

یہ ایک مسلّم اصول ہے جو اللہ رب العزت کی جانب سے دنیاوی اور دینی ہر دو قسم کے امور میں متعین ہے۔ دینی امور میں تو اس بات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ ان دو اسباب کے درمیان باہمی ربط قائم رکھا جائے۔ جس سے ہدیۂ بندگی اپنے سارے کمال کو پہنچے اور رب کی رضا حاصل ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبی آخر الزماں ہادیٔ والا شاں مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سوال کیا کہ "ما الاحسان؟" احسان کسے کہتے ہیں؟ تو سرورِ کائنات مفخرِ موجودات علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ افضل الصلوات واکرم التحیات نے ارشاد فرمایا "ان تعبد الله کانك تراہ وان لم تکن تراہ فانه یراك" اللہ کی بندگی اس طرح بجالاؤ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تمہیں وہ معرفت کا درجہ حاصل نہیں تو کم از کم یہ عقیدہ رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اسی وجہ سے علمائے صوفیاء علیہم الرحمۃ والرضوان جب نماز کی تعلیم دیتے ہیں تو اس کے ظاہری احکام اور باطنی صحت کا درس ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں اور اسی طرح دین کے ہر حکم میں ظاہر اور باطن ہر دو امور میں خلوصِ نیت کی تاکید کیا کرتے ہیں۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ او ست
وگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

خانقاہیں اسی سبب دینِ متین کی اشاعت اور مذہب و مسلک کے پھیلانے میں طبقۂ علماء پر فوقیت لے گئیں۔ خانقاہوں نے احکامِ دینیہ کو صرف درس گاہ تک نہ چھوڑا بلکہ ان احکام کو اپنی زندگی میں ڈھال کر ایک ایسا نظام تیار کیا جو امتِ مرحومہ کے واسطے سنگِ میل کی افادیت دے گیا۔

انسانی نفسیات کا ایک مستقل قاعدہ یہ ہے کہ انسانی عقل کی بڑھوار نقل کی محتاج ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچہ ایامِ طفلی میں کس اور کتنی بڑی حد تک اپنے والدین، اساتذہ اور دیگر بزرگوں سے متاثر

ہوتے ہیں اور ان کی طرح روز مرہ کے کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی بنیادی انسانی نفسیات کے پہلو کو خانقاہوں نے اپنے نظامِ عمل کا سب سے اہم اور لازم قاعدہ قرار دیا۔ نقلی میراث کا عملی روپ خانقاہی زندگی کا شعار بنی اور ان تربیت گاہوں سے جڑنے والے اسلامی اخلاق وتہذیب کا گہوارا بن کے سارے عالم میں نیم روز کے سورج کی مانند چمکے۔

اسی باطنی تربیت کی تاکید پر یہ حدیث شریف غمازی کررہی ہے کہ فرمایا نبیٔ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

''ایمان کے ستر شعبے ہیں ان میں سب سے افضل شعبہ ہے قول ''لا الٰہ الا اللہ محمدا رسول اللہ'' اور سب سے ادنیٰ شعبہ یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا جائے۔'' (متفق علیہ)

اس حدیث میں ایک انتہائی غور طلب امر یہ ہے کہ بابِ ایمانیات کہ جس کی بنا پر ہر مسلم کے دینی تشخص کی بنیاد ہوتی ہے یہاں اسی کے چند اصول بیان کیے گئے۔ بلا شبہ اخلاص و بندگی کی پہلی سیڑھی خدائے ذوالجلال کی توحید اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کو کہا جائے گا۔ جس کی بابت روایت کا پہلا حصہ بہت ہی بین طرز پر غمازی کررہا ہے اور دوسرا گوشہ اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ راستے سے موذی اشیاء کو ہٹا دینا بھی بابِ ایمانیات میں شمار فرما کر نوعِ انسانی کو ایک آفاقی فکر کا حامل بنایا جس کی بنا پر آپسی محبت قائم ہوسکے اور سماج کے جملہ افراد ایک دوسرے کے آرام اور باہمی امن وسکون کا خیال رکھیں۔

مذکورہ بالا روایت کی روشنی میں دل کے دریچوں کو تھوڑا اور کھولا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ خدائے ذوالجلال اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔ اس روایت میں دوسرے کے درد کو سمجھنا اور اسے دور کرنے کی جانب اشارہ ہے۔ اسی وجہ سے تو تکلیف دہ چیزیں ہٹا دینے کو ایمانیات میں شمار فرمایا گیا ہے۔ اب ذرا غور فرمائیں! جس مذہب مہذب نے اس نہج پر تعلیم دی کہ دوسرے کے درد کو اپنا درد جانو تو وہ مذہب کیوں نہ کائنات کا سب سے اچھا دین ہو؟

خدائے ذوالجلال نے جب انسان کو پیدا فرمایا تو اس میں صفتِ انس یعنی محبت کو رکھا۔ اسی صفتِ انس کے سبب انسان کو انسان کہتے ہیں اور شاید یہی انسیت وہ ایک صفتِ عالیہ ہے کہ جو انسان کو اندھیروں سے اٹھا کر معرفت کی روشنی میں کھڑا کر دیتی ہے۔

انسان جب کبھی اس انسیت سے غافل ہوجاتا تو اپنے رب سے دور چلا جاتا۔ تب اس انسیت کو دوبارہ اجاگر فرمانے کے لیے خدائے ذوالجلال کسی بندے کو نبی کے روپ میں چن لیتا اور انسیت کے اس پیغام کو لے کر وہ نبی انسانیت کی جانب تشریف لائے۔ یہ سلسلہ آخر کار ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ ختم ہوا۔

جب اللہ رب العزت نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اُتاری:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

اب انسانیت کو انس کا درس دینے کی ذمہ داری امتِ مصطفیٰ کے علماء پہ آپڑی جن کی فضیلت کے باب میں سرکار کے ارشادات کے موتیوں سے حدیث کی کتب کے انبار کے انبار لگے ہوئے ہیں۔
اس انس کی تشہیر کا بیڑا علمائے صوفیا نے اٹھا لیا اور اپنی خانقاہوں کو انس اور انسانیت کا مرکز بنا کر حضرتِ انسان کی خدمت میں پیش کیا۔ ان کے خلوص کی بنیاد سرکار سرور کائنات کا یہ ارشاد بنی۔

عن عمر ابن الخطاب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "انما الاعمال بالنیات" (متفق علیہ)

ترجمہ: عمل پہ مرتب ہونے والے ثواب کا دار و مدار نیت پر ہے۔
طبقاتِ صوفیاء نے اس حدیث کو دین کا چوتھائی حصہ مانا ہے۔ خانقاہوں کے چلن میں اسی روایت کی عکاسی ہوتی ہے۔
خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ اسی خلوص کی ایک اہم کڑی ہے جس کی بنیاد پر اسلام کی روشنی مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال بنا کسی زور و زبردستی، صرف محبت اور حسنِ اخلاق کی بنا پر پھیلی اور پھیل رہی ہے۔ علم کا فروغ اس خانقاہ کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے اور اسی قدیم روایت کے طرز پر آج بھی خانوادے کے افراد عمل پیرا ہیں۔
خانوادۂ برکاتیہ کی جانب سے امتِ مرحومہ کے ہر فرد کے نام چند پیغامات پیش خدمت ہیں۔ ہر فرد سے گذارش ہے کہ اپنے ضمیر میں جھانک کر ان پر غور فرمائیں اور خاطر خواہ جواب تلاش کریں۔
تعاون کے لیے خانقاہ کی خدمات ہمیشہ امت کے ہر فرد کے ساتھ رہیں گی۔

(۱) تبلیغ کے نام پر لاکھوں کروڑوں روپیہ صرف کرنے کے باوجود کیا وجہ ہے کہ ہم کسی ایک نہج پر ساتھ ساتھ کام نہیں کر پاتے؟

(۲) مدارسِ اسلامیہ کی تعداد اور ان مراکزِ دینیہ سے فارغ ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ تو بہت ہوا مگر ان سے دین کا کتنا کام ہو رہا ہے؟

(۳) کیا عوام اور خواص کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اس زمانہ میں ہم القاب کے زیادہ ذہنی اور باطنی قوت کے معاملے میں کتنے کمزور ہو گئے ہیں؟

(۴) جس مذہب مہذب کی اشاعت میں ہمارے اماموں نے دن و رات کی انتھک کوششیں جتائیں کیا ہم اس کام کو آگے بڑھانے میں کامیاب ہوئے؟

(۵) کیا ہمارا علمی تشخص اب صرف اتنی حد تک رہ گیا ہے کہ ہم اپنے ہی معاشرے کے افراد کو اپنی علمی لیاقت کا نشانہ بناتے رہیں اور فروعی احکام میں ذاتیات کو داخل کر کے امت کے شیرازے کو پارہ پارہ کر دیں؟

ان سوالات کا اُٹھنا ایک ضروری امر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خیر القرون کا مطالعہ کرنے کے بعد موجودہ زمانے کے حالات ہمارے ذہن کو شَل کر دیتے ہیں اور یہ سوال پوچھنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ

آخر کار وہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے کہ جس پر چل کر اُمتِ محمد یہ ﷺ فلاح و بہبود سے ہم کنار ہو سکے۔
کسی بھی معاشرے کی ترقی میں تین عناصر اہم کردار ادا کرتے ہیں۔
(۱) سرمایۂ علم (۲) ستھری سیاست اور (۳) ٹھوس کردار۔
آیئے فرداً فرداً ہم پرکھنے کی کوشش کریں کہ یہ تین عناصر ہم میں کس حد تک موجود ہیں۔

(۱) سرمایۂ علم: بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ برصغیر ہندو پاک میں پانچ ہزار سے زائد علمی ادارے قائم ہیں۔ آیئے ایک چھوٹا سا حساب لگائیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اوسطاً ان میں سے ہر ایک ادارے سے ہر سال پانچ عالم فارغ ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک سال میں کُل ملا کر پچیس ۲۵ ہزار علماء تیار ہوئے اور اگر پچھلے ۵ سال کا اوسط نکالا جائے تو ان اداروں نے سوا لاکھ علماء تیار کیے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ یہ علماء کہاں گئے......؟ انہیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ فانظروا فیہ یا اولی الابصار! یہ علماء وہی تھے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی نیابت پہ مامور ہوئے۔ اب آیئے ذرا دیکھیں تو سہی حقیقتِ معاملہ کو کھنگال کے دیکھا جائے کہ آخر کار یہ انجماد کیوں پیدا ہوتا جا رہا ہے؟ تو اس کا کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ مدارسِ اسلامیہ میں جو طرزِ تعلیم رائج ہے وہ عصری تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ دس یا بارہ سال کے لیے علمی سفر کے بعد جب طالبِ علم دینِ شریف مدرسے کی چہار دیواری سے نکل کر خوں خوار دنیا کے سامنے آتا ہے تو عموماً اپنے آپ کو نہتا پاتا ہے۔ ایسا نہیں کہ اس کے پاس ہتھیار موجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے پاس ہتھیار تو ہیں مگر ان ہتھیاروں کو وہ بروئے کار نہیں لاسکتا۔ کیونکہ اسے معلوم ہی نہیں کہ کس جگہ کس ہتھیار کو استعمال کرنا ہے۔ چلو پہیلیوں کی زبان سے باہر نکل کر اس معاملے کی توضیح کر دیں۔ بارہ سال کے کورس میں سیرتِ نبویہ ﷺ کا درس شامل ہی نہیں۔ طالبِ علم دینِ شریف کی حقیقت تو نائبِ مصطفیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ واکرم التحیہ ہونا تھا اور جب وہ اپنے امام کی سیرت سے نا آشنا رہے گا تو نیابت کس طرح کر پائے گا؟ حدیث کی کتابیں تو پڑھادی جاتی ہیں۔ مگر ایسی دقیق اور مشکل زبان میں کہ پھر ان کو سہل انداز میں بیان کرنا طالب علم کے لیے ناممکن سا ٹھہرتا ہے۔

مدارس میں جو درسِ فقہ ہوتا ہے وہ بھی چند کتابوں کو رَٹ لینے کی حد تک رہ جاتا ہے۔ جزئیات پر عبور ہو ہی نہیں پاتا۔ المختصر یہ کہ درس میں پڑھائے جانے والے اصول خواہ وہ کسی بھی فن میں ہوں ان کا عملی اجراء نہیں کروایا جاتا۔ اس کا خمیازہ اُمت اس طرح بھگتتی ہے کہ سلجھے ہوئے تحقیقی مزاج رکھنے والے علماء اس کے حصے میں نہیں آپاتے۔ علمِ حدیث سے جڑا ہوا فن علمِ اسماء الرجال ہے۔ اس فن کے پڑھنے اور پڑھانے کے سلسلے میں بھی تشنگی رہ جاتی ہے۔ حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ پڑھنا اور پڑھانا رسموں کی چہار دیواری میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ ختمِ بخاری کے نام پر بخاری شریف کے چند صفحات پڑھا دیے، فقہ حنفی کے نام پر چار کتابوں کے چند اسباق پڑھا دیے اور تفسیر کے نام پر دو کتابیں پڑھ لیں۔ اللہ اللہ خیر صلاً یہ ہوئی دستار اور یہ بنے مولانا۔

اس ذکر سے تخریب کارانہ تنقید مقصود نہیں یہ تو صرف ایک جائزہ ہے جس سے ہم پر یہ حقیقت روشن ہو جائے کہ موجودہ زمانے میں کس طرح کے دعاۃ (داعی) کی ضرورت ہے اور کس طرح کا مال تیار ہو رہا ہے۔ ع

ایسے ویسے کیسے کیسے ہو گئے — کیسے کیسے ایسے ویسے ہو گئے

اسی بنیادی نقص کی بناء پر آج جو افراد داعی بن کے سامنے آتے ہیں وہ امت کو فروعی معاملات میں لڑا دیتے ہیں۔ کہیں چین والی گھڑی کا جھگڑا تو کہیں ٹائی پہننے والوں کی تکفیر کرتے نظر آتے ہیں۔

اب آیئے ذرا دیکھیں کہ کن تدبیروں سے ہم اپنے علمی معیار کو ایک نئی جہت بخش سکتے ہیں۔ اس سے پہلے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم فیصلہ کریں کہ ایک داعی کے لیے کن اوصاف کی ضرورت ہے۔

دین کا داعی نائب رسول ہوتا ہے۔ نیابت صرف علم کی تعلیم ہی میں نہیں بلکہ سرکار ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے من جملہ اطوار سے اکتساب فیض کرتے ہوئے ہونا چاہیے۔ مثلاً اللہ نے سرکار کو رحمۃ للعلمین بنا کر بھیجا، اب ہر نائب رسول پر فرض ہے کہ وہ ہر ایک امتی سے رحمت بھرا نرم طریقہ اختیار کرے۔ اگر کوئی سائل اس کی بارگاہ میں حاضر ہو تو اس کو دھتکار کر بھگا نہ دے۔ بلکہ حتی الوسعت اس کی مراد کو پہنچے۔ اور اس کا تعاون کرے۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ۔ یہی حضور رحمۃ للعلمین علیہ وعلیٰ آلہ وافضل الصلوٰۃ واکرم التسلیم کی رحمت میں نیابت ہے۔

مخلوقِ خدا سے قطعاً مخدومانہ روش نہ اختیار کرے کیونکہ سید القوم خادمھم قوم کا سردار دراصل ان کا خادم ہوتا ہے۔ اپنے کردار میں، تحریر میں اور اپنی ذات سے صادر ہونے والے ہر فعل میں اسی جذبۂ خدمت کو فوقیت دے۔ یہی مشائخ عظام علیہم الرحمۃ والرضوان کا طریقہ رہا ہے۔ اور اسے ہی طریقت کہتے ہیں۔ بزرگوں سے منقول ہے کہ اتقوا مواضع التھم۔ تہمت کی جگہ سے اپنی ذات کو بچاؤ۔ ہر ایسی بات سے اپنے آپ کو دور رکھو جس سے عوام اس سے بدگمان ہو سکتی ہو۔

آئیں ذرا تھوڑی گفتگو مدارسِ نصاب کے سلسلے میں ہو جائے۔ جن عنوانوں پر مدارس کا نصاب میں داخل کرنا از حد ضروری ہے۔ (۱) سیرت رسولِ اکرم ﷺ (۲) سیرت صحابۂ کرام (۳) تاریخ اسلام اور (۴) تقابلِ ادیان۔ ہر داعی کے لیے دو زبانوں کی مہارت از حد ضروری ہے۔ (۱) عربی اور (۲) انگریزی۔ اس راہ پر کام ہونا ضروری ہے۔ جب سرکار ﷺ کی صفات کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سرکار کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ دلوں کے میلے پن کو صاف کر دیتے ہیں۔ اس لیے تزکیہ کے عنوان کے تحت ائمۂ صوفیاء کی تحریرات کا مطالعہ بڑے کام آنے والی چیز ہے۔

فارغ التحصیل علماء کے لیے روزی کمانا ایک بڑا مسئلہ ہے۔ مدارس کے منتظمین کو اس راہ میں سعی کرنا چاہیے کہ ان کے یہاں سے فارغ علماء کو اچھی روزی کا ذریعہ ہو جائے۔ عالم کی آدھی زندگی ذریعۂ معاش تلاش کرنے میں بیت جاتی ہے۔ اور وہ کما حقہٗ دین کی خدمت کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ جب مقتدائے قوم ہی فارغ البال نہ ہو تو قوم کی کشتی کا ناخدا کیسے بن سکے گا؟ قوم کی بہبود میں دانشوروں کا

کافی بڑا کردار ہے۔ آج نام نہاد مسلم دانشور اپنی رائے کے مطابق اسلامی احکام میں اپنی اختراعی باتیں داخل کرتے ہیں۔ اس کا سدّ باب بھی ہونا ضروری ہے۔

(۲) ستھری سیاست: ہمارے دور میں سیاست کو لوگوں نے ایک ہوّا بنا رکھا ہے۔ ہمارے لوگ سیاست میں آتے بھی ہیں تو اغیار کی چھتری کے نیچے اپنے خیمے تانتے نظر آتے ہیں۔ سیاسی اسلحے سے لیس ہونا بھی ہماری قوم کے لیے بہت ضروری ہے۔ یہ ایک مسلّم اصل ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ تیرہ کروڑ مسلمانوں کی آبادی میں کیا ایک بھی ایسا شخص نہیں ملے گا جو اُن کی سیاسی رہنمائی کرسکے۔ آج اغیار کے پاس ایک مرکزی نقطۂ نظر ہے جس کا نام ہے رام۔ رام کے نام پر اغیار کا اجماع ہے۔ ہم پوچھتے ہے کہ بحیثیتِ مسلمان کیا فیض کے سوتے اتنے سوکھ گئے ہیں کہ ہم اب تک ایک مرکز پر جمع نہیں ہو پاتے۔ مراکز کا مطالعہ کیا جائے تو اُمتِ مرحومہ کے دامن میں مراکز کے وہ پھول ہیں جو ایک زمانے سے اسے معطّر کیے ہوئے ہیں۔ ہمارا خدا کی وحدانیت پر اجماع ہے، ہمارا رسول کی رسالت پر اجماع ہے، ہمارا صدیق کی صداقت پر اجماع ہے، ہمارا فاروق کی عدالت پر اجماع ہے، ہمارا عثمان کی سخاوت پر اجماع ہے، ہمارا مرتضٰی کی شجاعت پر اجماع ہے، ہمارا حسنِ مجتبٰی کی نجابت پر اجماع ہے، ہمارا حسین کی شہادت کے حق ہونے پر اجماع ہے۔ کمی رہ جاتی ہے تو یہ کہ آفتاب پر چند بادلوں کے چھا جانے سے ہم دل برداشتہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہم یہ یاد نہیں رکھتے کہ جس رسول اعظم کے ہم اُمتی ہیں اس نے ہمیں توکل کا درس دیا ہے۔ وہ جب ۳۱۳ کی جماعت لے کر نکلا تو خیمۂ دشمن میں اک شور وغل برپا ہوا۔ اور قرآن اس توکل کے نتیجے پر ملنے والی فتح پر کچھ اس طرح ناطق ہوا کہ کمر من فئة قليلة غلبت فئةً كثيرة باذن الله۔ کہ اللہ کے حکم سے چھوٹے گروہ بڑی فوجوں پر غالب آجاتے ہیں۔

آج ہمارے دل سے خوفِ خدا ہی تو جاتا رہا۔ کہ ہم ساری دنیا سے ڈرنے لگے۔ کیا ہمیں قرآن کا وہ فرمان یاد نہیں۔ ولا تهنوا ولا تحزنو وانتم الاعلون ان كنتم مومنين۔ نہ سستی کرو نہ رنج کھاؤ تم ہی کامیاب ہوگے اگر ایمان پر قائم رہے۔

سرکار صدیق اکبر میں یہ جذبۂ ایمانی اس عروج پر تھا کہ جب جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ اٹھا اور منکرینِ زکوٰۃ نے اپنے ناپاک ارادے ظاہر کیے تو عمر رسیدہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ جن کی کمر بڑھاپے کی وجہ سے جھک گئی تھی منبرِ رسول پر جب کھڑے ہوتے ہیں تو ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور یہ فرماتے نظر آتے ہیں کہ آج ایک اونٹ کی نکیل کے مصداق کسی شخص کے اوپر زکوٰۃ واجب ہے تو ابو قحافہ کا بیٹا ابوبکر اسے بھی حاصل کرکے رہے گا۔

ضروری نہیں ہے کہ سیاسی ترقی غیر مسلموں کے دامن سے وابستہ ہوکر ہی حاصل کی جاسکے۔ ایک مضبوط سیاسی پلیٹ فارم تیار کرنے کے لیے صرف بڑے جلسے اور کانفرنس درکار نہیں ہے۔ اچھی سیاست کا راز اچھے اخلاق، اپنے زمانے کے حالات سے آگاہی اور افراد کے دل میں اپنے موقف کا ثبت کر دینا

ہے۔ یہ کئی طرح سے ہو سکتا ہے۔ یہاں پر ایک بات کی اور نشاندہی کر دی جائے کہ کسی غیر عالم کا اس میدان میں آنا عندالشرع روا نہیں۔ غیر عالم سیاست کے میدان میں کود پڑے ہیں یہی سبب ہے کہ قوم صلح کلیت کا شکار ہوگئی۔ نام نہاد سیکولرزم کے پرچم تلے قومِ مسلم کو کبھی پنجے کے نام پر بیچا جارہا ہے، کبھی کنول کے نام پر بیچا جارہا ہے، کبھی سائیکل کے نام پر بیچا جارہا ہے۔ قومِ مسلم تو شمعِ توحید کی نور افشانیوں کے نام بک چکی ہے۔ قوم مسلم تو وہ ہے کہ۔

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں سر کٹاتے ہیں تیرے نام پر مردانِ عرب

صلح حدیبیہ کے وقت قریش کے قاصد نے مکہ جاکر یہی تو کہا تھا کہ ہم نے محمد الرسول اللہ ﷺ اور ان کے دیوانوں کو اس حال میں دیکھا کہ جب وہ وضو فرماتے ہیں تو ابھی پانی جسم سے جدا نہیں ہو پاتا کہ دیوانگانِ شمعِ رسالت ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے ہیں کہ کون اس پانی کو اپنے ہاتھوں میں لے لے۔ اتنا کہہ کر وہ قاصد کہنے لگا اے معاشرۂ قریش کیا تم سمجھتے ہو کہ جو ملت اپنے رسول کے جسم سے جدا ہوئے پانی کے قطرے زمین پر نہیں گرنے دیتی وہ اس بات کو گوارا کرے گی کہ اس کے حبیب کے خون کا ایک قطرہ زمین پر گر جائے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنا مرکز تصور کرتے ہوئے ایک ستھری سیاست کی بنیا ڈالی جائے۔ جس سیاست کا عین منشاء روتے کو ہنسانا، گرے کو اُٹھانا، بھوکے کو کھلانا، گم گشتگانِ راہ کو صراطِ مستقیم پر لانا جو عین سنتِ نبوی کے مطابق ہے۔

عصائے کلیم اژدھائے غضب تھا گروں کا سہارا عصائے محمد ﷺ

ستھری سیاست کی راہ میں مندرجہ ذیل طریقے اختیار کرنا مناسب رہے گا۔

(۱) میڈیکل کیمپ کا انعقاد جس کے ذریعہ غریبوں کو مفت دوائیں تقسیم کی جائیں۔ عوامِ اہل سنت اس ایک تحریک کے ذریعے اپنے مقتدا سے قریب سے قریب تر آسکے۔ اور جب عوام مقتدا کے قریب آجائے گی تو انہیں پیغامِ حق کا توشہ باسانی دیا جاسکے گا۔

(۲) دیکھا جاتا ہے کہ مسلم آبادیوں میں گندے پانی کے جمع ہونے سے بیماریاں پھیلتی ہیں اور اس گندے پانی میں ملی نجاستیں عبادت گزار مسلمانوں کی طہارت کو بھی مانع ہیں۔ ایک سیاسی رہنما ہونے کی حیثیت سے اس آلودگی کو دور کرنا اور آبادی کو صفائی ستھرائی اور اس سے جڑے ہوئے فوائد کا درس دینے میں اہم کردار ادا کرنا اشد ضروری ہے۔

(۳) یہ تو ہوئی ظاہری صفائی، باطن کی صفائی کے لیے ایک سیاست داں اس طرح اہم کردار ادا کرسکتا ہے کہ ایسے اداروں کو قائم کرنے میں اپنے دن و رات صَرف کرے کہ جن کے ذریعے قوم کا علمی معیار کامیابی کی راہ پر ثابت قدم ہوجائے۔

ضروری نوٹ: ہم پہلے بھی کہہ آئے ہیں کہ اغیار نے ایک مرکزی شخصیت رام کو اپنا سب کچھ تصور کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا ہے۔ بروجِ سیاست کی اعلیٰ رفعتوں کو پانے کے

لیے جو سب سے پہلا قدم اٹھانا ہے وہ یہ کہ ایک مرکزی قیادت قوم کو فراہم ہو جائے ورنہ یہ جان لیں کہ مرکزی قیادت کے بغیر نہ تو ظاہر سدھر سکتا ہے اور نہ باطن کو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ ہر ایک شخص اپنی دو اینٹ کی خانقاہ بنائے بیٹھا ہے۔ کوئی سلسلے کے نام پر لڑ رہا ہے، کوئی نذرانے کے نام پر لڑ رہا ہے، تو کوئی اپنے ان بزرگوں کو سب سے اعلیٰ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے جن سے وہ عقیدت رکھتا ہے۔ اسی بناء پر آج سلسلے ایک دوسرے سے ٹکراتے نظر آتے ہیں اور فریق فرقوں میں تبدیل ہوتے نظر آتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ جان لینا بہت ضروری ہے کہ سنیت ہی وہ ایک پلیٹ فارم ہے جس پر یکجا ہو کے ہمیں کام کرنا ہے۔ اسی میں ہماری بھلائی ہے اور اسی میں ہماری بقا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مرکز کسے بنایا جائے؟ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو صرف ایک خانقاہ یا صرف ایک علمی ادارہ یا صرف ایک تحریک مرکز کہلانے کی حامل نہیں ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس جگہ سے روحانی تربیت ہوتی ہے وہ روحانی مرکز ہے۔ جس مخزنِ علم سے چشمۂ علمِ دین شریف جاری ہوتا ہے وہ علمی مرکز ہے اور جس تحریک کے افراد خلوص وللّٰہیت کی اعلیٰ قدروں پر گامزن ہیں وہ اصلاحی مرکز ہے۔ علامہ جامی کا ایک شعر یاد آیا۔

خوشا مسجد و مدرسہ خانقاہے　　　　که دروے بود قیل و قال محمد ﷺ

بہت ہی اچھی ہے وہ مسجد اور وہ مدرسہ اور وہ خانقاہ کہ جس میں ذکر رسولِ اکرم ﷺ ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ (اللہ تبارک وتعالیٰ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا) ولہٰذا ہم بندوں پر فرض ہے کہ احسان کرنے والوں کے احسان کو جانیں اور مانیں۔ اور اس کے مطابق احسان کرنے والوں کے ذکر کو اپنے حلقۂ اثر میں پھیلائیں کہ یہ عین سنتِ الٰہی کے مطابق ہے۔

ہم لوگوں نے اپنے محسنوں کو بھلا دیا جس کے سبب آج در در کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ ہم نے اپنے بزرگوں کا ذکر چند کرامات کے بیان کرنے تک محدود کر دیا ہے۔ یہ کیا عرس اور یہ ختم ذکر۔ اعراس کے انعقاد کے پیچھے جو حکمت علماء بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بندگانِ خدا یہ جان لیں کہ جس بندۂ خدا کی یاد منائی جاری ہے اس نے خدا کی رضا حاصل کر لی اور اس رضا کے حاصل کرنے میں اس نے جس راہ کو اختیار کیا وہ تھی راہ شریعت۔ ہر بندے کا مقصدِ اصلی یہی رضائے الٰہی تو حاصل کرنا ہے اور جب وہ محبوبانِ خدا کے اعراس میں حاضر ہوتا ہے تو اس حاضری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی ان طریقوں کو جان لے، اس راستے کو پہچان لے کہ جس پر چل کے معرفتِ خدا عز اسمہٗ حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور اس راہ پہ اور اس معرفت کے راستے میں جس شخصیت کو وہ مشعلِ راہ تصوّر کرتا ہے وہ ہے صاحب عرس۔ یاایها الذین امنو اتقو الله وکونوا مع الصادقین۔ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) بغیر جانے ہوئے کہ کون سچا ہے بھلا کوئی شخص سچوں کے ساتھ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو سچوں کو جاننے کے لیے اعراس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

آخر میں ایک بات بیان کر دینا بہت ضروری ہے کہ سیاسی رہنما کے لیے ہر قسم کی صلح کلیت سے بچنا بہت ضروری ہے۔ اپنی قوم کے فائدے کے لیے کوشش یہ کرنا چاہیے کہ اپنی بنیاد اتنی مضبوط کر دی جائے کہ پھر تشنگی نہ باقی رہ جائے۔

(۳) ٹھوس کردار :اس عنوان کے تحت ہم کچھ باتیں پہلے بھی عرض کر چکے ہیں مزید کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

دین کے قائد کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ظاہر اور باطن کو ایک سا ستھرا رکھیں۔ دونوں میں تفاوت ہرگز نہ ہونے پائے۔ جو کہے وہ کرے۔ اکثر عوام کے بدظن ہونے کا بنیادی سبب یہ رہتا ہے کہ وہ اپنے قائد کے قول وفعل میں تضاد پاتے ہیں لہٰذا اس سے دور چلے جاتے ہیں۔ ہمارے آقا حضور نور مجسم نبیٔ اکرم ﷺ نے ہر لمحے ہمیں یہی تعلیم دی کہ دوسروں کو قربانی کا درس دینے سے پہلے خود قربانی دو۔ حسینی ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تو حسین کی طرح سر کٹانے کا جذبہ دل میں رکھو۔ قائد بنو قاعد نہیں۔ صرف امریکہ، کینڈا اور لندن کے دورے ہر سال کر آنا قیادت کا ثبوت نہیں۔ لاکھوں لوگ اپنی جان سے چلے جائیں اور حضرت قائد دور دراز کے ممالک کے دورے پر رہیں۔ یہ کہاں کی قیادت ہے، یہ کیسا کردار ہے؟ ایسی کھوکھلی قیادت سے ہمیشہ دور ونفور رہو۔ ایسا کردار پیش کریں کہ عوام اچھی طرح جان لیں کہ رنج وغم کا طوفان اگر اس پر اُمڈ پڑے تو آپ اس کے ساتھ ہوں گے۔ نہ کہ لندن کے ٹریفلگار اسکوائر میں بیوی بچوں کے لیے کپڑے اور کھلونے خرید رہے ہوں گے۔ کیونکہ آپ کی خدمات اپنے ملک میں رہنے والے مسلمان بھائیوں کے لیے پہلے ہے تب جا کے کہیں باہری ممالک میں تبلیغ کرنا روا رہے گا۔

کہنے کو تو بہت ہے لیکن طوالت سے بچنے کے لیے سوز دل کو ساز لب میں نہیں تبدیل کیا۔ دل میں جذبات کا ایک کوہ آتش فشاں سلگ رہا ہے۔ اس کی یہ چند چنگاریاں ہی کافی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ فقیر برکاتی نے اپنے نانا جان ﷺ کے اُمتیوں کو جو حقیقتوں کا آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے وہ ناکام نہیں جائے گی۔ ہم نے وہی طریقہ اختیار کیا جس کا درس بزرگوں نے سینہ بسینہ نسلاً بعد نسلاً ہمیں عطا کیا۔

یہ چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ اس درد کی ترجمانی کرتے ہیں جو چہار پہر ہماری خلوت وجلوت میں ہماری روح پر شعلہ باری کرتا رہتا ہے۔ اے معاشرۂ مومنین ہم تمہیں واسطہ دیتے ہیں کہ اہل بیت کی ان سسکیوں کا، میدانِ کربلا پر گرے ان کے خون کا، ان کے کٹے ہوئے سروں کا، ان کے تڑپتے جسموں کا، ان کے ایثار کا، ان تکلیفوں کا، ان سینوں کا جن پر ہزار ظلم وستم کی آندھیاں گزر گئی ہیں۔ کہ جن آلام کو انہوں نے صرف اس لیے سہا کہ ہم سر اٹھا کر یہ کہہ سکیں ہم مسلمان ہیں۔ کیا آج امت مرحومہ کا خون اتنا سفید ہو چکا ہے کہ اپنے ان عظیم محسنوں کی قربانیوں کو فراموش کرکے راہِ حق سے بھٹکتی نظر آتی ہے۔ اٹھو لہو ولعب کے جاموں کو اُتار پھینکو، معرفت کے پیالوں سے، شریعت کی شراب کو کچھ اس انداز سے پیو کہ زمانہ یاد کرے کہ رندانِ مے خانہ عشق مصطفیٰ ﷺ جب اُٹھتے ہیں تو عشق والفت کے وہ جام چھلکتے ہیں کہ ہر سو امن والفت کی ہوائیں چل پڑتی ہیں۔ اور ہر طرف سے یہی صدا آتی ہے کہ مسلمان آرہے ہیں۔ اپنی حقیقت کو پہچانو۔ تمہیں حاکم بنا کے بھیجا گیا تھا تم محکوم بننے نہیں آئے تھے۔ OOOO

ترجمہ کنزالایمان کا لسانی جائزہ. قسط ۷

ڈاکٹر صابر سنبھلی
سیف خاں سرائے، سنبھل، ضلع مراد آباد (یوپی) ۲۴۴۳۰۲

سورهٔ مریم

آیت ۳: علامہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''جب پکارا اُس نے اپنے رب کو چھپی آواز سے۔''

جو لوگ بخوبی اردو بول لیتے ہیں خواہ وہ کسی بھی علاقے کے ہوں ''چھپی آواز'' نہیں بولتے۔ اس لیے یہ غیر فصیح ہے۔ جناب علامہ نے بھی یہ لفظ اس لیے استعمال کیے کہ شاہ عبدالقادر نے اس طرح ترجمہ ارقام فرمایا تھا۔

''جب پکارا اپنے رب کو چھپی پکار۔''

جناب علامہ نے جتنی تبدیلی جملے میں کی ہے شاید وہ اس سے زیادہ کر نہیں سکتے تھے۔ اسی لیے ترجمہ غیر فصیح رہ گیا۔ یہ حالت تو تب ہے جب شاہ صاحب کا ترجمہ سامنے تھا۔ اگر وہ سامنے نہ ہوتا تو خدا جانے کیسا ترجمہ فرماتے۔ بہر حال امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں لکھایا۔

''جب اُس نے اپنے رب کو آہستہ سے پکارا۔''

فرق اہلِ نظر خود ملاحظہ فرمالیں۔ اس بولتے ہوئے ترجمے پر کسی تبصرے کی حاجت نہیں۔

آیت ۵: حضرت علامہ نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کو جوں کا توں نقل کر دیا۔ اس میں وہ کسی لفظ میں تبدیلی بھی نہ کر سکے۔ کیوں؟ یہ وہی جانیں۔ بہر حال ترجمہ یہ ہے۔

''اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے۔''

ایک عام قاری کے لیے یہ سمجھنا دشوار ہے کہ اس ترجمے میں لفظ ''اپنے'' ''بھائی بندوں'' سے متعلق ہے یا ''پیچھے'' سے یا دونوں سے (جبکہ تیسری صورت ممکن بھی ہو تو غلط ہوگی) پھر لفظ ''پیچھے'' سے ایک عام قاری یہی سمجھے گا کہ پیٹھ پیچھے یا غیبت میں۔ جبکہ بات یہ نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا۔

''اور مجھے اپنے بعد قرابت والوں کا ڈر ہے۔''

ترجمے کی وضاحت کسی شہادت کی محتاج نہیں۔

آیت ۶: یہاں بھی حضرت علامہ شاہ صاحب کے ترجمے میں تصرّف کرنے میں قاصر نظر آتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے شاہ صاحب کے ترجمے کو ہی جوں کا توں نقل کر دیا (اہل نظر انصاف کر

سکتے ہیں کہ یہ کسی مترجم کا کام ہے یا کسی نقال کا) ترجمہ یہ ہے۔

''اور کر اُس کو اے رب من مانتا۔''

شاہ صاحب نے من مانتا لکھا تھا ایک مدت بعد بھی جناب علامہ کو اس کا مرادف نہ سوجھا۔ مولائے تعالیٰ لغات کا ایسا افلاس کسی کو نہ دے۔ (لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا جب اردو پر اتنا بھی عبور نہیں تھا تو مترجم بننے کا ارادہ ہی کیوں کیا) امام احمد رضا نے اس کانی البدیہہ ترجمہ اس طرح رقم فرمایا۔

''اور اے میرے رب اسے پسندیدہ کر۔''

دونوں ترجموں کا فرق ایک نظر میں معلوم کیا جاسکتا ہے۔

آیت ۱۹: اس آیت کا ترجمہ امام احمد رضا نے یوں لکھایا تھا۔

''بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔''

''فاضل بریلوی کا مشن'' کے مصنف نے اس ترجمے پر دو ۲ اعتراض کیے ہیں۔ پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ امام احمد رضا نے ''انما'' کا ترجمہ چھوڑ دیا، لکھتے ہیں۔

''مولوی احمد رضا کو ثابت کرنا تھا کہ حضرت جبرئیل بیٹا دیتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام جبریل بخش ہیں، اولیاء اللہ بیٹا دیتے ہیں۔ جبکہ انما حرف حصر و تاکید سے اُن کے اس باطل و شرکیہ عقیدے پر کاری ضرب لگ رہی تھی۔ اسے جڑ سے ہی صاف کیا جا رہا تھا۔ اس لیے جناب نے انما کا ترجمہ چھوڑ دیا''۔ (ص ۱۲۳)

اگر امام احمد رضا نے حرف حصر و تاکید ''انما'' کا ترجمہ چھوڑ کر کسی شرکیہ عقیدے کا دفاع کیا تو واقعی یہ بہت بُرا ہوا؟ لیکن انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اس اصول یا قاعدے یا ضابطے یا جو بھی کہیے کو درست مانا جائے تو اس کا حصار اتنا تنگ نہ ہو کہ امام احمد رضا کو ہی خطاوار مانا جائے اگر کسی اور نے ایسا کیا ہو تو اس کو بھی اس خانے میں رکھا جائے۔ امید ہے کہ فقیر کی اس بات سے کسی انصاف پسند کو اختلاف نہ ہوگا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا ترجمہ دوسرے مترجمین قرآن نے کیا لکھا ہے یہ بھی دیکھا جائے۔ چلیے پہلے علامہ اشرف علی تھانوی صاحب کے ترجمے سے استفادہ کرتے ہیں۔ انہوں نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:

''فرشتے نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تا کہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔''

(ناشر فرید بک ڈپو، دلّی۔۶)

ملاحظہ فرمایئے تھانوی صاحب نے بھی کلمہ حصر و تاکید ''انما'' کا ترجمہ چھوڑ دیا۔ اب اگر ہمت ہے تو مصنف وہی باتیں تھانوی صاحب کے بارے میں لکھ دیں جو امام احمد رضا کے بارے میں لکھی ہیں اور اگر نہیں لکھ سکتے تو آئندہ کچھ لکھنے سے توبہ کرلیں۔

مصنف کے نزدیک اتنے معتبر حوالے کے بعد اب کسی دوسرے ترجمے کو دیکھنے کی حاجت نہیں رہ جاتی۔

ان دونوں مترجمین نے ''انما'' کا ترجمہ چھوڑا یا نہیں اگر چھوڑا تو کیوں چھوڑا اگر ذرا غور کر لیا جائے تو خود سمجھ میں آ جائے گا۔

مصنف کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس ترجمے میں امام احمد رضا نے حضرت جبریل علیہ السلام اور جناب مریم کی شان میں صحیح لفظ کا استعمال نہیں کیا۔ تحریر فرماتے ہیں۔

> ''کس قدر مہذب ترجمہ ہے، قربان جایئے کیونکہ جناب حضور پُرنور تھے اس لیے آپ کو حق ہے کہ جبریل و مریم علیہما السلام کو ''بولا و بولی'' لکھیں۔'' (ص ۱۲۳)

اس آیت کے ترجمے میں حضرت جبریل علیہ السلام کے لیے جو لفظ ''بولا'' لکھا گیا ہے اُس کے غلط یا نا مناسب ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ شرط غور و فکر اور انصاف کی ہے مگر ان چیزوں سے مصنف کو شاید بَیر ہے۔ یہ لفظ ایک معصوم کے بارے میں غلط کیوں نہیں ہے اس بارے میں آگے عرض کیا جائے گا، لیکن بات گھوم پھر کر پھر وہیں آتی ہے کہ اگر امام احمد رضا کا فرشتے کے بارے میں ''بولا'' لکھنا غلط ہے تو یہ پیمانہ دوسروں کے لیے بھی ہونا چاہیے۔ ''میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا آخ تھو'' انصاف نہیں چونکہ مصنف کو یہ ترجمہ گستاخانہ معلوم ہوتا ہے اس لیے ان کی خاطر ہم دیکھیں گے کہ اس موقع پر دوسرے مترجمین قرآن کیا ترجمہ عنایت فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے ایک ہندوستانی دانشور کے قول کے مطابق اردو کے سب سے اچھے ترجمے (از علامہ محمود الحسن) پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

وہ بولا ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ (سورہ الحجر آیت ۵۲)

بولا کیا خوشخبری سُناتے ہو مجھ کو جب پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا۔ (سورہ الحجر آیت ۵۴)

بولا اور کون آس توڑے اپنے رب کی رحمت سے۔ (سورہ الحجر آیت ۵۶)

بولا پھر کیا مہم ہے تمہاری اے اللہ کے بھیجے ہوؤ۔ (سورہ الحجر آیت ۵۷)

چاروں جگہ ''بولا'' کا لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا ہے اور ملاحظہ فرمایئے۔

بولا تم لوگ ہو اوپرے۔ (سورہ الحجر آیت ۶۲)

بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔ (سورہ الحجر آیت ۷۱)

دونوں جگہ ''بولا'' حضرت لوط علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا ہے۔

بولا کہ تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اُتاریں مگر آسمان و زمین کے مالک نے۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۰۲)

موسیٰ بولا کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری۔ (سورۂ کہف آیت ۷۴)

دونوں آیتوں میں ''بولا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا ہے بلکہ دوسری آیت میں تو

نام بھی مذکور ہے۔ اور ملاحظہ ہو۔

بولی مجھ کو رحمٰن کی پناہ تجھ سے اگر ہے تو ڈرر کھنے والا۔ (سورۂ مریم آیت ۱۸)

بولی کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے۔ (سورۂ مریم آیت ۲۰)

بولی کسی طرح میں مرچکتی اس سے پہلے اور ہو جاتی بھولی بسری۔ (سورۂ مریم آیت ۲۳)

ان تینوں آیات میں ''بولی'' حضرت مریم علیہا السلام کے لیے لکھا گیا ہے۔

یہ حوالے بغیر کسی خاص تلاش کے نقل کر دیے گئے ہیں اگر تجسّس کیا جائے تو ایسے تراجم کے جمع کرنے سے بلا مبالغہ ایک کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ جب اردو کے سب سے اچھے ترجے (بقول شخصے) میں ہمیں مطلوبہ مواد مل گیا تو اب کسی دیگر ترجے کو دیکھنے کی حاجت نہیں رہی۔

اب انصاف یہ کہتا ہے کہ مصنف 'علامہ محمود الحسن صاحب کو امام احمد رضا کے مقابلے میں کم از کم ۱۲ گنا خطاوار ٹھہرائیں۔ اس لیے کہ ایک بار ''بولا'' کے علی الرغم بارہ بار ''بولا'' اور ''بولی'' استعمال کرنے کی مثالیں علامہ کے ترجے سے پیش کردی گئی ہیں۔ ہے ہمت؟ یا باتیں ہی باتیں ہیں؟

معصوم شخصیات کے لیے ''بولا'' اور ''بولی'' کا استعمال کیوں غلط نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور وہ اپنے بندوں کو ''بولا'' فرمائے یا ''بولے'' اور بندیوں کو ''بولی'' کہے یا ''بولیں'' اُس کو سزاوار ہے اور کوئی اُس کو ٹوک نہیں سکتا اور جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہو کہ نبی ہوں یا فرشتے سب اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہیں اُن کو تو اس طرز تکلم پر قطعی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس کا یہ ترجمہ فرمایا تھا۔

''بولا میں تو بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا۔''

یہ تیرھواں مقام ہوا جہاں علامہ نے مصنف ''فاضل بریلوی کا مشن'' کے مطابق ایک معصوم کی شان میں قابل اعتراض لفظ ''بولا'' استعمال کیا ہے، یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ محمود الحسن صاحب نے یہاں شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ جوں کا توں نقل کر دیا ہے۔ کوئی تصرّف بھی نہیں کیا ہے۔ اب آگے ملاحظہ فرمائیں۔

آیت ۴۶: جناب علامہ نے ترجمہ تحریر فرمایا۔

''اور دور ہو جا میرے پاس سے ایک مدّت۔''

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جملہ مکمل ہے۔ لیکن علامہ بھی کیا کرتے وہ تو شاہ صاحب کے ترجے میں ہی پھیر بدل کر سکتے تھے اور شاہ صاحب نے یہ ترجمہ کیا تھا۔

''اور مجھ سے دور جا ایک مدّت۔''

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا۔

''اور مجھ سے زمانۂ دراز تک بے علاقہ ہو جا۔''

آیت ۴۸: جناب علامہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

''اُمید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کی بندگی کر کر محروم۔''

اس ''کر کر'' کی داد ہر فصیح زبان کو دینی ہوگی۔ واضح ہو کہ شاہ صاحب کے ترجمے میں یہ لفظ نہیں تھا۔ انہوں نے ترجمہ کیا تھا۔

''اُمید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کو پکار کر محروم۔''

''پکار کر'' کو ''بندگی کر کر'' سے بدل کر جناب علامہ نے ترجمے کو سدھارا ہے یا بگاڑا ہے اس کا فیصلہ ہر انصاف پسند کرسکتا ہے۔ اس کے باوجود اس کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ کہنے والے کی انصاف پسندی کو کیا کہا جائے۔ امام احمد رضا نے ترجمہ فرمایا۔

''قریب ہے کہ میں اپنے رب کی بندگی سے بد بخت نہ ہوں۔''

آیت ۶۵: علامہ محمود الحسن صاحب کا نام نہاد ترجمہ یہ ہے۔

''کس کو پہچانتا ہے تو اس کے نام کا''۔

کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ اس ترجمے کے مفہوم تک پہنچ گیا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی ایسا ہی مبہم تھا اور اس کی وجہ اردو کی عمر طولیت رہی ہوگی۔ جناب علامہ اپنے عہد کے مطابق کسی ترجمے کو ڈھالنے پر قادر نہیں تھے البتہ مزید مبہم بنانے کے فن میں ماہر تھے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ تھا۔

''کوئی پہچانتا ہے تو اُس کے نام کا''

امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ بول کر لکھایا۔

''کیا اُس کے نام کا دوسرا جانتے ہو''۔

سبحان اللہ! مفہوم کو کیسا واضح اور سہل کر دیا۔ چنانچہ ''سہولتِ تفہیم'' ترجمہ کنزالایمان کی انیسویں خوبی ہوئی۔

آیت ۶۹: حضرت علامہ کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''پھر جدا کرلیں گے ہم ہر ایک فرقے میں سے جون سا اُن میں سے سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ''۔

خط کشیدہ (جون سا) کا جواب نہیں؟ لیکن علامہ بھی بے چارے کیا کرتے، شاہ صاحبؒ نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا۔

''پھر جدا کردیں گے ہم ہر فرقے میں سے جن سا اُن میں سے سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ''۔

علامہ نے ایک لفظ بدل دیا اور ایک بڑھا دیا۔ اس سے زیادہ وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ جناب امام احمد رضا نے جناب علامہ سے ۶ برس پہلے یہ ترجمہ املا کرایا تھا۔

''پھر ہم ہر گروہوں سے نکالیں گے جو اُن میں رحمٰن پر سب سے زیادہ بے باک ہوگا''

آیت ۷۰: حضرت علامہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

''پھر ہم کو خوب معلوم ہے جو بہت قابل ہیں اس میں داخل ہونے کے۔''

قابل کے بجائے اہل یا لائق ہونا چاہیے تھا مگر جناب علامہ تو اردو لغات کے معاملے میں غریب واقع ہوئے تھے۔ وہ شاہ صاحب کے ترجمے میں چند الفاظ بدلنے کے ہی اہل تھے۔ شاہ صاحب نے بھی اس موقع پر لفظ ''قابل'' ہی لکھا تھا۔ پورا ترجمہ یہ ہے۔

''پھر ہم کو خوب معلوم ہیں جو بہت قابل ہیں اس میں پیٹھنے کے۔''

علامہ نے ''ہیں'' کو ''ہے'' سے بدل دیا اور ''پیٹھنے'' کو ''داخل ہونے'' سے۔ اس سے زیادہ وہ بے چارے اور کیا کرتے۔ جو کر سکتے تھے کیا، کوئی کسر نہیں چھوڑی؛ لیکن جو بس کی بات نہیں تھی اُس میں کیا کرتے۔ امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ رقم کرایا۔

''پھر ہم خوب جانتے ہیں جو اُس آگ میں بھوننے کے زیادہ لائق ہیں۔''

یہ ہے صحیح معنوں میں آیت کا اردو ترجمہ ۔ یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے (آتش)

آیت ۷۹: علامہ محمود الحسن صاحب کا نام نہاد ترجمہ یہ ہے۔

''یہ نہیں ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور بڑھاتے جائیں گے اُس کو عذاب میں لنبا۔''

اور شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

''یوں نہیں ہم لکھ رکھیں گے جو کہتا ہے اور بڑھاتے جاویں گے اُس کو عذاب میں لنبا۔''

دونوں ہی ترجمے مبہم ہیں۔ کسی کے لیے بھی ان کے مفہوم تک پہنچنا آسان نہیں۔ شاہ صاحب کے ساتھ تو خام زبان کی مجبوری تھی مگر جناب علامہ کو کیا ہوا تھا کہ انہوں نے تین ۳ الفاظ بدلنے اور ایک لفظ بڑھانے کا کارنامہ تو انجام دیا لیکن مفہوم کی تسہیل کی کوئی کوشش نہیں کی حتی کہ لنبا کا املا بھی جدید تقاضوں کے مطابق نہیں لکھا۔ اب ان کے مقابلے میں امام احمد رضا کا فی البدیہہ لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''اب ہم لکھ رہیں گے جو وہ کہتا ہے اور اُسے خوب لمبا عذاب دیں گے۔''

اب اس سورۃ کے آخر میں فعل متعدی المتعدی کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ فرمالیجیے۔

آیت ۸۰: جناب علامہ نے ترجمے میں درج فرمایا۔

''اور ہم لیں گے اُس کے مرنے پر جو کچھ وہ بتلا رہا ہے اور آئے گا ہمارے پاس اکیلا۔''

جب کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں رقم فرمایا تھا۔

''اور ہم لے لیں گے اُس کے مرے پر جو بتاتا ہے اور آوے گا ہم پاس اکیلا۔''

شاید علامہ نے اپنے اوپر یہ لازم کرلیا تھا کہ شاہ صاحب کے ترجمے کی تسہیل ہو یا نہ ہو اُس میں سُدھار ہو یا نہ ہو' وہ جدید زمانے کے مطابق ہو یا نہ ہو مگر جہاں بھی ہو سکے فعل متعدی المتعدی کو ضرور ترجمے میں ٹھونس دیا جائے۔ معلوم نہیں اس کو وہ کتنا اچھا سمجھتے تھے۔

امام احمد رضا کا فی البدیہہ کیا ہوا ترجمہ یہ ہے۔

''اور جو چیزیں کہہ رہا ہے اُن کے ہمیں وارث ہوں گے اور ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔''

سورۂ طٰہٰ

آیت ۸: علامہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ ارقام فرمایا۔

''اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی اُسی کے ہیں سب نام خاصے۔''

شاہ عبد القادر صاحب نے اس کا یہ ترجمہ فرمایا تھا۔

''اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی اُس کے ہیں سب نام خاصے''۔

جناب علامہ نے ''اُس'' کو ''اُسی'' سے بدل کر مترجم ہونے کا حق تو ادا کر دیا لیکن وہ ''خاصے'' کی جگہ کوئی دوسرا لفظ نہیں لا سکے۔ جب کہ اس کا بدلنا ضروری تھا۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں تحریر کرایا۔

''اللہ کہ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اُسی کے ہیں سب اچھے نام۔''

آیت ۲۹: جناب علامہ نے یوں ترجمہ تحریر فرمایا۔

''اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا۔''

کام بٹانے والا لفظ ''وزیر'' کا ترجمہ ہے علامہ چاہتے تو اس جگہ ''وزیر'' یا کوئی دوسرا لفظ لا سکتے تھے کیونکہ ''کام بٹانے والا'' ''وزیر'' کا متبادل نہیں اور گھر کا کام بٹانے والا تو ہرگز وزیر نہیں کہلائے گا۔ مگر وہ کرتے کیا۔ شاہ عبد القادر صاحب نے بھی ''کام بٹانے والا'' ہی لکھا تھا۔ (واضح ہو کہ شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ بھی یہی ہے۔ علامہ نے ایک لفظ بھی نہیں بدلا ہے) یہ ترجمہ شاہ صاحب کی حد تک تو زبان کی مجبوری ہی کہا جائے گا؟ لیکن جناب علامہ کا ویسے ہی نقل کر دینا ترجمہ نگاری کے نام پر داغ ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں املا کرایا۔

''اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر کر دے۔''

آیت ۴۰: جناب علامہ ترجمہ فرماتے ہیں۔

''اور جانچا ہم نے تجھ کو ایک ذرا جانچنا۔''

جناب علامہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں دو لفظ (ہم نے) کا اضافہ کیا اور ''ایک ذرا جانچنا'' جوں کا توں نقل کر دیا۔ یہ علامہ کے عہد کی زبان نہیں ہو سکتی۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں املا کرایا۔

''اور تجھے خوب جانچ لیا''۔

ایجاز بھی ہے اختصار بھی اور ترجمہ بھی واضح ہو گیا۔

آیت ۴۵: علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''اے رب ہمارے ہم ڈرتے ہیں کہ بھبک پڑے ہم پر یا جوش میں آجائے۔''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یوں تھا۔

''اے رب ہمارے ہم ڈرتے ہیں کہ بھبکے ہم پر یا جوش میں آوے۔''

دونوں ترجموں کا آج کل کے ایک عام شخص کے لیے سمجھنا دشوار ہے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا۔

''اے ہمارے رب بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے۔''

آیت ۴۷: علامہ کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور سلامتی ہو اُس کی جو مان لے راہ کی بات۔''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ تھا۔

''اور سلامتی ہو اُس کی جو مانے راہ کی بات۔''

علامہ نے ''مانے'' کو ''مان لے'' سے بدل کر ترجمے کا حق ادا کر دیا؛ لیکن ''راہ کی بات'' کی وضاحت وہ بھی نہ کر سکے جب کہ یہ کام زیادہ ضروری تھا۔ اب ایک عام قاری کو ''راہ کی بات'' کا مفہوم جاننے کے لیے لغت کی مدد لینی پڑے گی۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا۔

''اور سلامتی اُسے جو ہدایت کی پیروی کرے''

آیت ۶۴: علامہ محمود الحسن صاحب آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

''اور جیت گیا آج جو غالب رہا''

اس ترجمے کو پڑھنے کے بعد ''جیت جانے'' اور ''غالب رہنے'' کے فرق کی وضاحت کون کرے گا۔ ایک عام قاری کے لیے تو دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ (جس کو جناب علامہ نے پہیلی بنادیا) اس سے بہتر تھا انہوں نے لکھا تھا۔

''اور جیت گیا آج جو اوپر رہا۔''

امام احمد رضا نے اردو خواں مسلمانوں کو یہ ترجمہ عنایت فرمایا۔

''اور آج مراد کو پہنچا جو غالب رہا۔''

آیت ٦٦: جناب علامہ کا کیا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''تبھی اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُس کے خیال میں آئیں اُن کے جادو سے کہ دوڑ رہی ہیں۔''

شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

''تبھی اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُس کے خیال میں آئیں اُن کے جادو سے کہ دوڑتی ہیں''۔

جناب علامہ نے شاہ صاحب کے ترجمے کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا تھا تو اظہار کیا تھا کہ وہ مشکل الفاظ کو آسان کریں گے اور متروک لفظوں کو رائج لفظوں سے بدلیں گے؛ مگر دیگر آیات کے تراجم کی

طرح اس میں بھی ''دوڑ رہی'' کو ''دوڑتی'' سے بدل کر حق ترجمہ نگاری ادا کر دیا۔ عبارت کی بہتری کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ (ممکن ہے یہ بات اُن کے بوتے سے باہر ہو) بہر حال امام احمد رضا کا فوری طور پر لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

''جبھی اُن کی رسّیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے زور سے اُن کے خیال میں دوڑتی معلوم ہوئیں۔''

آیت ۸۵: علّامہ محمود الحسن صاحب نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا۔

''فرمایا ہم نے بچلا دیا تیری قوم کو تیرے پیچھے۔''

اور شاہ صاحب نے بھی یہی ترجمہ عنایت فرمایا تھا۔

''فرمایا ہم نے بچلا دیا تیری قوم کو تیرے پیچھے۔''

ملاحظہ فرمائیں کہیں ایک حرف، ایک شوشے، یا ایک نقطے کی کمی بیشی بھی نہیں ہے۔ پھر جو ترجمہ علّامہ محمود الحسن صاحب کے نام سے ہمارے سامنے آتا ہے اُس کو شاہ صاحب کا ترجمہ کیوں نہ مانا جائے اور کس بنیاد پر اس کو جناب علّامہ سے منسوب کیا جائے۔ یہ سوال کافی اہم ہیں اور ایسا بہت جگہ ہوا ہے۔

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا۔

''فرمایا تو ہم نے تیرے آنے کے بعد تیری قوم کو بلا میں ڈالا۔''

آیت ۹۴: جناب علّامہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''کہا اے میری ماں کے جنے نہ پکڑ میری ڈاڑھی اور نہ سر۔''

''میری ماں کے جنے'' کی فصاحت پر غور فرمایئے اور داد دیجیے۔ ساتھ ہی وجہ بھی جان لیجیے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اسی طرح لکھا تھا۔ ہوسکتا ہے اُن کے عہد میں یہ معیوب نہ رہا ہو۔ لیکن کیا جناب علّامہ اس متروک فقرے کو اپنے عہد کے مطابق بدلنے پر قادر نہیں تھے۔ یہ تو خدا ہی جانے؟ لیکن اُس شخص کے ذہنی دیوالیے پن پر تو ہر انصاف پسند کو رونا آئے گا جس کو لوگ دانشور کہتے تھے اور جو اس ترجمے کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ بتاتا تھا۔ بہر حال امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا۔

''کہا اے میرے ماں جائے نہ میری ڈاڑھی پکڑو اور نہ میرے سر کے بال۔''

آیت ۹۷: علّامہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ عنایت فرمایا۔

''اور دیکھ اپنے معبود کو جس پر تمام دن تو معتکف رہتا تھا۔''

امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور اپنے اُس معبود کو دیکھ جس کے سامنے تو دن بھر آسن مارے رہا۔''

زبان، روزمرّہ اور فصاحت کے لحاظ سے دونوں ترجموں کا فرق ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے۔

آیت ۹۸: علّامہ محمود الحسن صاحب کے مترجم قرآن کریم میں ترجمہ اس طرح درج ہے۔

''تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں سب چیز سما گئی ہے اس کے علم میں۔''

اسلوب بیان کی بناء پر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت کا علم تو پہلے سے موجود تھا؛ مگر بہت سی چیزیں بعد میں اُس کے علم میں سمائیں۔ اس سے اللہ رب العزت کے علم کے حادث ہونے کا شبہہ پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ ایسے ہی الفاظ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی لکھے تھے مگر وہ اُن کے عہد کی زبان کی مجبوری تھی۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے تو امام احمد رضا سے بھی بعد میں ترجمہ تیار کیا مگر وہ یا تو اس نکتے کو سمجھ نہیں پائے یا پھر اس کو درست کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ امام احمد رضا جناب علامہ سے پہلے یہ ترجمہ قلمبند کرا چکے تھے۔

''تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ ہر چیز کو اُس کا علم محیط ہے۔''

شاید جناب علامہ کے مفسّر علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کو بھی علامہ کی اس کوتاہی کا احساس ہوا اور غالباً اُن کو ترجمہ کنزالایمان سے استفادہ کرنے کا موقع بھی مل گیا اس لیے حاشیے میں انہوں نے یوں لیپا پوتی کی۔

''جس کا لامحدود علم ذرّہ ذرّہ کو محیط ہے۔''

آیت ۹۹: جناب علامہ محمود الحسن ترجمہ نگار ہیں۔

''اور ہم نے دی تجھ کو اپنے پاس سے پڑھنے کی کتاب۔''

کتاب تو پڑھنے کے لیے ہی ہوتی ہے۔ پڑھنے کے سوا اس کا دوسرا مقصد اور ہو بھی کیا سکتا ہے اس لیے ''پڑھنے کی'' زوائد سے ہے بھرتی ہے۔ یہ ترجمہ جناب علامہ کا ہی کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں انہوں نے شاید شاہ عبدالقادر صاحب سے استفادہ نہیں کیا۔ اس لیے اور بڑی ٹھوکر کھائی۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔ ''اور ہم نے دیا تجھ کو اپنے پاس سے ایک پڑھنا۔''

اور امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ تحریر کرایا۔

''اور ہم نے تم کو اپنے پاس سے ایک ذکر عطا فرمایا۔''

زبان کی صفائی اور روانی دونوں چیزیں قابل دید اور قابل داد ہیں۔

آیت ۱۰۸: جناب علامہ نے ترجمہ فرمایا:

''اور دب جائیں گی آوازیں رحمٰن کے ڈر سے پھر تو نہ سُنے گا مگر کُھس کُھسی آواز۔''

کھس کھسی آواز کیا اور کیسی ہوتی ہے فقیر اس سے لاعلم ہے۔ دوسروں سے پوچھا کچھ پتہ نہیں چلا۔ لغات کی ورق گردانی کی کچھ معلوم نہ ہوا۔ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ دیکھا تو اُس میں کھس کھسی آواز لکھا دیکھا۔ ایک غیر معتبر لغت (فیروز اللغات) میں ''کھس کھس کرنا'' کے تحت ''کانا پھوسی کرنا'' لکھے دیکھا۔ جناب علامہ نے شاید اسی کو متروک قرار دے کر اس کی جگہ کھس کھسی آواز لکھ دیا، جس کا لغات میں بھی اتا پتا نہیں بقول شاعر ؎ پہلے اک صورت تو تھی اب صاف ویرانہ کیا

کہاں ہیں لفظ ''کروڑا'' پر اعتراض کرنے والے۔ وہ چند لغات میں موجود تو ہے۔ ''یہ کھس کھسی

آواز'' کس لغت میں ملے گا۔ کوئی ہے سُراغ دینے والا؟ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح عطا فرمایا۔

''اور سب کی آوازیں رحمٰن کے حضور پست ہو کر رہ جائیں گی تو تو سُنے گا مگر آہستہ آواز۔''

آیت ۱۲۶: جناب علامہ نے بغیر کسی کمی بیشی کے شاہ صاحب کے ترجمے سے اس طرح ترجمہ نقل فرمایا۔

''پھر تو نے اُن کو بُھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے۔''

قاری کو اختیار ہے کہ اس ترجمے کو شاہ صاحب کا سمجھے یا علامہ کا؛ لیکن یہ خیال ضرور رکھے کہ شاہ صاحب کے زمانے میں زبان کی ایسی نزاکتوں پر غور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس میں نزاکت کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھول چوک اور نسیان وغیرہ سے پاک ہے۔ پھر اُس کے بارے میں بُھلا دینے کی بات کرنا یا کہنا بڑی جسارت ہے۔ امام احمد رضا نے یوں فی البدیہہ ترجمہ املا کرایا۔

''تو نے انہیں بُھلا دیا اور ایسے ہی آج تیری کوئی خبر نہ لے گا۔''

سبحان اللہ قدرتِ زبان کا کیا ہی عمدہ نمونہ ہے۔ اس کو اس ترجمے کی بیسویں خوبی شمار کیجیے۔

اب ضیافت طبع کی خاطر ایک نمونہ فعل متعدی المتعدی کا بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

آیت ۱۲۳: جناب علامہ کا ترجمہ ہے

''پھر جو چلا میری بتلائی راہ پر سو نہ وہ بہکے گا اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا''

شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے (جس کی صحت کے لیے علامہ نے قلم اٹھایا تھا) میں لفظ ''بتلائی'' نہیں تھا۔ اُن کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''پھر جو چلا میری بتائی راہ پر نہ وہ بہکے گا اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا''

جناب علامہ نے ''بتائی'' کو ''بتلائی'' سے بدلنے کے سوا اور کوئی لفظ نہیں بدلا۔ گویا اُن کی نظر میں ''بتائی'' غیر فصیح، متروک اور ''بتلائی'' فصیح تھا۔ اس لیے کہ وہ ترجمے کے نام پر متروک اور غیر فصیح الفاظ کو رائج اور فصیح الفاظ میں بدلنے کے لیے ہی مترجم بننے کو آمادہ ہوئے تھے۔ کیا کہا جائے ایسی سمجھ ایسی تمیز کو۔ عقل حیران ہوتی ہے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا۔

''تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا وہ نہ بہکے نہ بد بخت ہو۔''

سورۂ انبیاء

آیت ۱: علامہ محمود الحسن صاحب ترجمہ ارقام فرماتے ہیں۔

''نزدیک آ گیا لوگوں کے اُن کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر ٹلا رہے ہیں۔''

مصدر ''ٹلانا'' علامہ نے پہلے بھی استعمال کیا ہے۔ اس کی نشاندہی کی جاچکی ہے۔ اس کے علاوہ

اسی سورت میں آیت ۲۴ کے ترجمے میں بھی استعمال کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ علامہ کا پسندیدہ لفظ ہے۔ اگر یہ اُن کو مرغوب نہ ہوتا تو بدل دیتے کیونکہ صاحب فرہنگ آصفیہ مولوی سید احمد دہلوی نے اس کو عوام کی زبان قرار دیا ہے اگرچہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی اس کو استعمال کیا تھا، مگر اُس عہد کی بات دوسری تھی۔ اسی آیت کے ترجمے میں جناب علامہ نے دو۲ لفظ بدلے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

''نزدیک آلگا لوگوں کو اُن کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر ٹلاتے ہیں۔''

جناب علامہ نے ''آلگا'' کو ''آگیا'' سے بدلا جب کہ اس میں کوئی برائی نہیں تھی۔ ''ٹلاتے'' کو بھی ''ٹلا رہے'' تو کردیا لیکن رہا مصدر ''ٹلانا'' سے ہی مشتق۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا۔

''لوگوں کا حساب نزدیک اور وہ غفلت میں منھ پھیرے ہیں۔''

آیت ۴۶: جناب علامہ سے منسوب ترجمہ اس طرح ہے۔

''اور کبھی پہنچے اُن تک ایک بھاپ تیرے رب کے عذاب کی تو ضرور کہنے لگیں ہائے کمبختی ہماری بے شک ہم تھے گنہگار۔''

اس حقیر فقیر نے اپنے محدود مطالعے کی بنا پر آج تک ''عذاب کی بھاپ'' کہیں لکھا ہوا نہیں دیکھا نہ کہیں سُنا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے ''آفت کی بھاپ'' لکھا تھا اُن کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

''اور کبھی پہنچے اُن کو ایک بھاپ تیرے رب کی آفت کی تو مقرر کہنے لگیں گے اے خرابی ہماری بے شک ہم تھے گنہگار۔''

ہوسکتا ہے اُن کے عہد میں ''آفت کی بھاپ'' روزمرہ رہا ہو یا نہ رہا ہو تو کوئی مناسب حال لفظ یا ترکیب نہ ملنے کے سبب انہوں نے یہ ترجمہ کردیا ہو، مگر جب جناب علامہ نے ''کبھی'' کو ''کہیں'' سے ''پہنچے'' کو ''پہنچ جائے'' سے، ''اُن کو'' کو ''اُن تک'' سے، ''آفت'' کو ''عذاب'' سے، ''مقرر'' کو ''ضرور'' سے اور ''کہنے لگیں گے'' کو ''کہنے لگیں'' سے بدلا تھا تو ''بھاپ'' کو بھی کسی مناسب لفظ سے بدل سکتے تھے۔ حالانکہ جو لفظ بدلے گئے ہیں (وہ اُن کے اعلان کے مطابق) نہ مشکل ہیں نہ متروک۔ اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ علامہ کے پاس اردو کے ذخیرۂ الفاظ کا قحط تھا۔ امام احمد رضا نے مومنین کو یہ ترجمہ عنایت فرمایا۔

''اور اگر انہیں تمہارے رب کے عذاب کی ہوا چھو جائے تو ضرور کہیں گے ہائے خرابی ہماری بے شک ہم ظالم تھے۔''

یہ بلاشبہ سلیس، رواں اور اردو کے روزمرہ کے مطابق ترجمہ ہے۔

آیت ۶۳: علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''بولا نہیں پر یہ کیا ہے ان کے اُس بڑے نے سو اُن سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب اُس سوال کے جواب میں تھا جس میں اُن کی قوم نے ٹوٹے ہوئے بتوں کو دیکھ کر اُن سے پوچھا تھا کہ کیا یہ کام تم نے کیا ہے؟

جواب میں پہلے کلمہ نفی (نہیں) فرمانا اور پھر وثوق سے یہ کہنا کہ اُن کے بڑے نے کیا ہے (جس کو نہیں توڑا گیا تھا اور جس کے کاندھے پر کلہاڑی رکھ دی تھی) صاف طور سے خلاف واقعہ بلکہ صاف کہا جائے تو جھوٹ ہے۔ جب کہ انبیائے کرام کذب جیسی برائیوں سے پاک ہیں۔ یہ اسلوب بیان کی خامی کے باعث ہوا ہے۔

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے بھی بالکل یہی ترجمہ کیا تھا؛ لیکن اُس وقت زبان کے اسالیب غیر متعین تھے۔ جناب علاّمہ تو اپنے عہد میں علامۃ الدہر مانے جاتے تھے پھرانہوں نے کیوں اس ترجمے کو بغیر سوچے سمجھے بغیر کسی تصرّف کے جوں کا توں نقل کردیا یہ باعث تشویش ہے۔ بعض ذہنوں میں اس سے کچھ سوال بھی پیدا ہوسکتے ہیں بہر حال امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا۔

''فرمایا بلکہ اُن کے اس بڑے نے کیا ہوگا تو اُن سے پوچھ لو اگر بولتے ہوں۔''

''کیا ہے'' اور ''کیا ہوگا'' میں جو فرق ہے وہ اہل زبان سے چھپا نہیں ہے۔ اس ترجمے کی بنا پر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی نے جھوٹ بولا۔

آیت ۹۶: جناب علاّمہ سے منسوب ترجمہ قرآن میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح درج ہے۔

''اور وہ ہر اوچان سے پھسلتے چلے آئیں۔''

شاہ صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا تھا۔

''اور وہ ہر اوچان سے پھسلتے آویں۔''

لفظ ''اوچان'' بہ معنی بلندی شاہ صاحب کے عہد میں رائج رہا ہوگا۔ گنواروں میں اب بھی بولا جاتا ہے؟ لیکن فصحاء نے علاّمہ کے عہد میں ہی ترک کر دیا تھا۔ جب علاّمہ متروکات کو دور کرنے کے ارادے سے شاہ صاحب کے ترجمے کو بقولِ بعض درست اور بقولِ بعض خراب کر رہے تھے اُس وقت انہوں نے اس لفظ کو کیوں نہیں بدلا جب کہ ''آویں'' کو ''چلے آئیں'' سے بدل دیا۔ یہ سوال اہمیت رکھتا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا فی البدیہہ ترجمہ اس طرح قلم بند کرایا تھا۔

''اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوں گے۔''

اس سورت کے ترجمے میں علاّمہ محمود الحسن صاحب نے فعل متعدی المتعدی کے ایسے گل کھلائے ہیں کہ متروکات کی بہار کا سماں پیش نظر آجاتا ہے۔ قارئین کرام بھی ملاحظہ فرمالیں۔

آیت ۱۸: کے ترجمے میں علاّمہ محمود الحسن صاحب کی فصیح و بلیغ اردو ملاحظہ فرمایئے۔

''اور تمہارے لیے خرابی ہے اُن باتوں سے جو تم بتلاتے ہو۔''

سب کو معلوم ہے کہ جناب علامہ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی نقل ہے لیکن شاہ صاحب نے اپنے ترجمے میں لفظ "بتلاتے" نہیں لکھا تھا۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے۔

"اور تم کو خرابی ہے اُن باتوں سے جو بتاتے ہو۔"

"بتاتے" کو "بتلاتے" بنانا جناب علامہ کا تصرف بے جا ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے۔

"اور تمہاری خرابی ہے اُن باتوں سے جو بناتے ہو۔"

آیت ۲۲: جناب علامہ نے یوں گل فشانی فرمائی۔

"سو پاک ہے اللہ عرش کا مالک اُن باتوں سے جو بتلاتے ہیں۔"

شاہ صاحب نے یوں ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

"سو پاک ہے اللہ تخت کا صاحب ان باتوں سے جو بناتے ہیں۔"

اس میں بھی جناب علامہ نے بے جا تصرف فرمایا۔ امام احمد رضا نے مسلمانوں کو یہ ترجمہ عنایت فرمایا۔

"تو پاکی ہے اللہ عرش کے مالک کو اُن باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔"

آیت ۳۷: علامہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ یوں ہے۔

"بنا ہے آدمی جلدی کا اب دکھلاتا ہوں تم کو اپنی نشانیاں سو مجھ سے جلدی مت کرو۔"

اس ترجمے کے مآخذ میں لفظ "دکھلاتا" نہیں ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح ترجمہ رقم فرمایا تھا۔

"بنا ہے آدمی شتابی کا اب دکھاتا ہوں تم کو اپنے نمونے سو مجھ سے جلدی مت کرو۔"

علامہ کو "دکھاتا" متروک لگا اس لیے انہوں نے اپنی فہم کے مطابق فصیح لفظ سے بدل کر اصلاح فرمادی۔ امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ املا کرایا۔

"آدمی جلد باز بنایا گیا ہے اب میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا جلدی نہ کرو۔"

آیت ۷۳: جناب علامہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"اور اُن کو کیا ہم نے پیشوا راہ بتلاتے تھے ہمارے حکم سے اور کہلا بھیجا ہم نے اُن کو کرنا نیکیوں کا اور قائم رکھنی نماز اور دینی زکوٰۃ۔"

خط کشیدہ (بتلاتے) شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں نہیں ہے، اُن کا ترجمہ یہ ہے۔

"اور اُن کو کیا ہم نے پیشوا راہ بتاتے ہمارے حکم سے اور کہہ بھیجا اُن کو کرنا نیکیوں کا اور کھڑی رکھنی نماز اور دینی زکوٰۃ۔"

شاہ صاحب کے ترجمہ میں لفظ "بتاتے" جناب علامہ کو متروک لگا اس لیے انہوں نے اس کو اپنی فہم کے مطابق فصیح لفظ (بتلاتے) سے بدل دیا۔ ایسی فہم بھی داد کے قابل ہے۔ امام احمد رضا صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا تھا۔

''اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں اور ہم نے انہیں وحی بھیجی اچھے کام کرنے نماز برپا رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی۔''

آیت ۸۰: علامہ محمود الحسن صاحب نے بین السطور میں یہ ترجمہ رقم فرمایا۔

''اور اُس کو سکھلایا ہم نے بنانا ایک تمہارا لباس کہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری لڑائی میں۔''

خط کشیدہ لفظ (سکھلایا) جناب علامہ کا ایجاد بندہ ہے ورنہ شاہ صاحب کے ترجمے میں سکھایا ہے جس کو تجدید کے نام پر تعدّی کا شکار بنایا گیا ہے۔ شاہ صاحب نے اس طرح ترجمہ کیا تھا۔

''اور اُس کو سکھایا ہم نے بنانا ایک تمہارا پہناوا کہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری لڑائی سے۔''

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا تھا۔

''اور ہم نے اُسے تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے۔''

سورۃ الحج

آیت ۵: علامہ محمود الحسن ترجمہ نگار ہیں۔

''پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا پھر جب تک پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں سے قبضہ کر لیا جاتا ہے اور کوئی تم میں سے پھر چلایا جاتا ہے نکمی عمر تک تا کہ سمجھنے کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے اور تو دیکھتا ہے زمین خراب پڑی ہوئی پھر جہاں ہم نے اُتارا اس پر پانی تازی ہوگئی اور اُبھری اور اُگائیں ہر قسم قسم کی رونق کی چیزیں۔''

اس ترجمے میں بڑی غلطی لفظ ''تازی'' کا استعمال ہے، جس کو جناب علامہ نے تازہ کے معنی میں لکھا ہے جب کہ ''تازی'' ''عربی'' کو کہتے ہیں بھلا اکا یہاں کیا موقع؟

دوسری غلطی ترجمے کے آخری فقرے میں ''ہر قسم قسم'' ہے۔ یہ بھرتی سے بوجھل ہے۔ خواہ ''ہر قسم'' لکھ دیتے خواہ ''قسم قسم'' لکھ دیتے مطلب یہی ہوتا جو اس وقت حاصل ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ فقرہ زوائد سے گرانبار ہونے کے سبب کانوں کو بھی ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس میں ایک لفظ ''ہر'' یا ''قسم'' زائد ہے۔

ایسی غلطیاں شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی بے سوچے سمجھے نقل مارنے کے سبب ہوتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ نقل کے لیے بھی عقل کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ جناب علامہ نے یہ بھی نہیں سوچا کہ شاہ صاحب کا ترجمہ اردو زبان کے تشکیلی دور کی کوشش تھی۔ اس کی تجدید کوئی ایسا شخص ہی کر سکتا تھا جو عربی اور اردو دونوں پر حاکمانہ قدرت رکھتا ہو۔ اب تک کے جائزے سے علامہ تو اس کے اہل نہیں قرار دیے جا سکے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں املا کرایا۔

''پھر تمہیں نکالتے ہیں بچہ پھر اس لیے کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی سب میں نکمی عمر تک ڈالا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے اور تو زمین کو دیکھے مرجھائی

ہوئی پھر جب ہم نے اُس پر پانی اُتارا تر و تازہ ہوئی اور اُبھر آئی اور ہر رونق دار جوڑا اُگا لائی۔"

نوٹ: ترجمہ کنزالایمان میں جو لفظ "جوڑا" آیا ہے وہ عربی لفظ "زوج" کا ترجمہ ہے جو قرآن کے متن میں موجود ہے۔ جناب علامہ محمود الحسن نے اس کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ وہ اس لیے کہ شاہ صاحب نے بھی چھوڑ دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے جناب علامہ محض لکیر کے فقیر تھے۔

آیت ۸۔۹: حضرت علامہ نے ان دو آیتوں کا ترجمہ یوں تحریر فرمایا۔

"اور بعضا شخص وہ ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بغیر جانے اور بغیر دلیل اور بدون روشن کتاب کے اپنی کروٹ موڑ کرتا کہ بہکائے اللہ کی راہ سے اُس کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور چکھائیں گے ہم اُس کو قیامت کے دن جلن کی مار۔"

اس ترجمے میں دو ۲ فقرے قابل غور ہیں "کروٹ موڑ کر" اور "جلن کی مار"۔ یہ اردو نثر کے ابتدائی دور میں رائج رہے ہوں گے اس لیے شاہ صاحب کے ترجمے میں شامل ہو گئے یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اُس وقت بھی رائج نہ رہے ہوں اور شاہ صاحب نے ادائے مطلب کے لیے خود بنا کر ترجمے میں لکھ دیے ہوں؛ لیکن لکیر کا فقیر ہونے کی عادت اگر کسی شخص میں ہو تو وہ لاکھ چھپانے پر بھی چھپتی نہیں اور اس کا ثبوت یہ ترجمہ ہے۔ جناب علامہ نے ان دونوں آیتوں کے ترجمے میں خوب لفظ بدلے لیکن یہ دونوں فقرے ایسے ہی رہنے دیے جیسے شاہ صاحب نے لکھے تھے۔ اور جو بدلے وہ مشکل نہ تھے اور نہ ہی متروک تھے سوائے "کتاب چمکتی" کے۔ کہ اس کو جناب علامہ نے جدید زبان کے مطابق روشن کتاب کر دیا؛ لیکن جو فقرے روز مرہ کے مطابق نہ تھے اور چلن سے باہر تھے اُن کو چھوا تک نہیں۔ امام احمد رضا نے ان دونوں آیتوں کا ترجمہ اس طرح لکھایا۔

"اور کوئی آدمی وہ ہے کہ اللہ کے بارے میں یوں جھگڑتا ہے کہ نہ تو علم نہ کوئی دلیل اور نہ کوئی روشن نوشتہ حق سے اپنی گردن موڑے ہوئے تا کہ اللہ کی راہ سے بہکا دے اُس کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اُسے آگ کا عذاب چکھائیں گے۔"

آیت ۲۲: علامہ محمود الحسن صاحب نے یوں ترجمہ تحریر فرمایا۔

"جب چاہیں نکل پڑیں دوزخ سے گھٹنے کے مارے پھر ڈال دیے جائیں اُس کے اندر۔"

اور شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

"جس بار چاہا کہ نکل پڑیں اُس سے گھٹنے کے مارے پھر ڈال دیے اندر۔"

شاہ صاحب نے "گھٹنے کے مارے" ہی لکھا تھا چونکہ گھٹنے سے ٹانگ کا جوڑ بھی مراد ہوتا ہے اور پہلوان کشتی میں اس سے وار بھی کرتے ہیں۔ اس لیے کسی کو اس کا مفہوم سمجھنے میں دھوکا بھی ہو سکتا ہے؛ لیکن جناب علامہ نے بعض دیگر الفاظ تو بدلے "گھٹنے" کو نہیں بدلا۔ اگر اس کو بھی بدل دیتے تو عبارت نقص سے پاک ہو جاتی۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا۔

''جب گھٹن کے سبب اُس میں سے نکلنا چاہیں گے پھر اُسی میں لوٹا دیے جائیں گے۔''

آیت ۲۶: جناب علاّمہ کا ترجمہ یوں ہے۔

''اور پاک رکھ میرا گھر طواف کرنے والوں کے واسطے اور کھڑے رہنے والوں کے اور رکوع و سجدہ والوں کے۔''

عبارت صاف طور سے نامکمل معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد ''واسطے'' یا ''لیے'' اور ہونا چاہیے تھا؛ مگر چونکہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی فقرے کو یوں ہی چھوڑ دیا تھا اس لیے جناب علاّمہ نے بھی لکیر کو پیٹا۔ ایک لفظ بھی نہیں بدلا۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ قلم بند کرایا۔

''اور میرا گھر ستھرا رکھ طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع سجدہ والوں کے لیے۔''

آیت ۲۷: علاّمہ محمودالحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ عنایت فرمایا۔

''اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہو کر دُبلے دُبلے اونٹوں پر چلے آئیں راہوں دور سے۔''

شاہ صاحب کا ترجمہ یہ تھا۔

''اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آویں تیری طرف پاؤں چلتے اور سوار ہو کر دُبلے دُبلے اونٹوں پر چلے آتے راہوں دور سے''

جناب علاّمہ نے چند الفاظ بدلے جن میں ''پاؤں چلتے'' کو بدل کر ''پیروں چل کر'' کر دیا جب کہ ''پاؤں چلنا'' یا ''پیدل چلنا'' پیروں چلنا کے مقابلے زیادہ صحیح اور فصیح ہے۔ علاّمہ نے اُس لفظ کو بدلا جو نہیں بدلنا چاہیے تھا؛ مگر اس فقرے کو ویسے ہی رہنے دیا جس کا بدلنا ضروری تھا۔ ''یعنی راہوں دور سے'' کو۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ تحریر کرایا۔

''اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دُبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔''

آیت ۳۲: جناب علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

''جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے۔''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

''جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری سے ہے۔''

جناب علاّمہ نے معمولی سا تصرف کیا مگر ''اللہ کے نام لگی چیزوں'' کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ اس فقرے کو یوں ہی رہنے دیا۔ جب کہ اس کا بدلنا ضروری تھا۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا۔

''جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔''

آیت ۳۷: علاّمہ محمودالحسن صاحب ترجمہ طراز ہیں۔

''اور جب سنایئے اُن کو ہماری آیتیں صاف تو پہچانے تو منکروں کے منہ کی بُری شکل نزدیک ہوتے ہیں کہ حملہ کر پڑیں اُن پر جو پڑھتے ہیں اُن کے پاس ہماری آیتیں تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ایک چیز اس سے بدتر وہ آگ ہے''۔

''منھ کی بُری شکل'' اور ''حملہ کر پڑیں'' قابل غور ہیں بلکہ تفہیم کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ روز مرہ کے مطابق بھی نہیں ہیں جب کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں یہ فقرے نہیں تھے۔ علامہ نے اصلاح وتجدید کے نام پر شاہ صاحب کے ترجمے کی مٹی پلید کردی، قارئین خود ملاحظہ فرمالیں۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور جب سنایئے اُن کو ہماری آیتیں صاف تو پہچانے منکروں کے منہ پر بُری شکل نزدیک ہوتے ہیں کہ دوڑ پڑیں اُن پر جو پڑھتے ہیں اُن کے پاس ہماری آیتیں تو کہہ میں تم کو بتاؤں ایک چیز اس سے بُری وہ آگ ہے''۔

قارئین کرام! یہ بھی ملاحظہ فرمالیں کہ علامہ نے شاہ صاحب کے لکھے ''بتاؤں'' کو ''بتلاؤں'' سے بدل دیا ہے۔ شاید سیدھا سادہ اور فصیح لفظ ان کو پچتا ہی نہیں۔ امام احمد رضا کا لکھایا ہوا ترجمہ پڑھ کر دونوں ترجموں کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایئے۔

''اور جب اُن پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو اُن کے چہروں پر بگڑنے کے آثار دیکھو گے جنھوں نے کفر کیا قریب ہے کہ لپٹ پڑیں اُن کو جو ہماری آیتیں اُن پر پڑھتے ہیں تم فرمادو کیا میں تمھیں بتادوں جو تمہارے اس حال سے بھی بدتر ہے وہ آگ ہے''۔

آیت ۷۸: جناب علامہ کا ترجمہ فرمایا تھا۔

''مضبوط پکڑو اللہ کو وہ تمہارا مالک ہے''۔

شاہ صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا تھا:

''کہہ پکڑو اللہ کو وہ تمہارا صاحب ہے''۔

جناب علامہ نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کو کچھ ترقی دینے کی کوشش تو کی لیکن اس بات کا خیال نہیں کیا کہ ''اللہ کو پکڑو'' جملے سے اللہ تعالیٰ کی تجسیم کا شبہ ہوتا ہے کیونکہ کسی جسم کو ہی پکڑا جاسکتا ہے۔ کنزالایمان میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''اللہ کی رسی مضبوط تھام لو''۔

(جاری ہے...... انشاء اللہ)

تصحیح اغلاط

''ترجمہ کنزالایمان کا لسانی جائزہ'' کے زیرِعنوان سہ ماہی افکار رضا ممبئی میں شائع ہونے والی اقساط میں سے چار شماروں جلد ۶ شمارہ ۳-۴ تا جلد ۷ شمارہ ۳ میں شامل اغلاط کی تصحیحات جلد ۷ شمارہ ۴ میں کرائی جاچکی ہیں۔ شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء (جلد ۷ شمارہ ۴) میں شامل قسط کے اغلاط کی تصحیحات پیش کی جارہی ہیں۔ قارئین کرام! درست فرمالیں۔ فقیر ان اغلاط کے لیے معذرت خواہ ہے۔ ان اغلاط کی نشاندہی کے لیے فقیر حضرت مولانا عبدالسلام صاحب رضوی اُستاذ جامعہ نوریہ بریلی شریف اور مولانا شفیع رضوی صاحب امام وخطیب مسجد پہاڑ والی سیف خاں سرائے، سنبھل ضلع مراد آباد (یوپی) کا دل کی گہرائیوں سے ممنون ہے۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۹	۲۲	بنایا سورج کو چمک/ چمکتا	بنایا سورج کو چمک
۱۰	۱۵	اللہ کی رحمت کے حصول کو	اللہ کے رحمت فرمانے
۱۲	۷	فرعون زمین پر سر اُٹھانے والا ہے	فرعون زمین میں سر اٹھانے والا تھا
۱۲	۱۳ تا ۱۶	آیت ۱۰۱ کا جائزہ	قلم زد کردیا جائے
۱۴	۱۸ تا ۲۱	ذمے دار کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اصلاح طلب ہے کیونکہ جناب مولانا عبدالسلام صاحب رضوی کی فہمائش کے مطابق کسی کو مطلقاً غیر ذمے دار کہنا ضرور ناگواری کا موجب ہے لیکن اگر کسی کو کسی خاص امر کے سلسلے میں جس کے لیے وہ جواب دہ نہ ہو یہ کہا جائے کہ فلاں اس بات کا ذمے دار نہیں تو اس میں کوئی ناگواری نہ ہوگی۔ اس لیے ان سطروں میں جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کو قلم زد کرکے یہ عبارت لکھ لی جائے۔ ''اس موقع پر وکیل کا یہ ترجمہ درست ہوسکتا ہے، لیکن کروڑاسے بہتر پھر بھی نہیں ہے''۔	
۱۷	۲۰	(جیسے مٹھی میں)	(جیسے ''مٹھی بھر'' میں)
۱۸	۱۱	پھر ہم بتادیں گے جو کچھ کہ تم کرتے ہو	پھر ہم جتادیں گے جو کچھ کہ تم کرتے ہو
۱۸	۲۶	اور اگر ہم اُس کو نعمت کا مزہ دیں	اور اگر ہم اُسے نعمت کا مزہ دیں
۱۹	۵	خواہ مخواہ وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان میں ہیں	خواہ نخواہ وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان میں ہیں
۱۹	۷ تا ۱۳	آیت ۴۰ کا جائزہ کالعدم تصور کیا جائے	
۲۰	۱۹	اور بے شک ہم اُن کا حصہ انہیں پورا پھیر دیں گے	اور بے شک ہم اُن کا حصہ انہیں پورا بھر دیں گے
۲۱	۱	بے شک اُس کی محبت اُس کے دل میں پیر گئی	بے شک اُن کی محبت اُس کے دل میں پیر گئی
۲۱	۷	جب تم نے یوسف کا جی لبھایا	جب تم نے یوسف کا دل لبھانا چاہا

۲۳	۱	اور جو اللہ کا عہد اُس کے پکّے ہونے کے بعد	اور وہ جو اللہ کا عہد اُس کے پکّے ہونے کے بعد
۲۳	۷	اُن کے لیے بُرا گھر	اُن کے لیے ہے بُرا گھر
۲۳	۱۱	یا بولیں اُس سے مُردے	یا بولنے لگیں اُس سے مُردے

ابھی کچھ ایسی غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں جن تک فقیر یا مطلع تحسین کے ذہن کی رسائی نہ ہوئی ہو بلکہ فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ افکار رضا جلد ۷ شمارہ ۳ میں واقعی کچھ غلطیاں ہیں۔ اُن کی تفصیل ابھی فقیر کے علم میں نہیں آئی ہے۔ مطلع ہونے پر ان کی بھی نشاندہی کی جائے گی۔ جو حضرات ایسی مزید غلطیوں کی نشاندہی فرمائیں گے فقیر اُن کا ممنون ہوگا۔ غلطی پر اڑنا فقیر کا شیوہ نہیں بلکہ ان کے اعلان سے قلب کو سکون ملتا ہے۔ اس لیے۔ ؎ صلائے عام ہے یارنِ نکتہ داں کے لیے

تصحیح اغلاط ''ترجمہ کنز الایمان کا لسانی جائزہ''

سہ ماہی ''افکار رضا'' ممبئی جولائی تا دسمبر ۲۰۰۱ء جلد ۷ شمارہ ۳ (۲۵)

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۷	۹	بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس اُتارا	بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس وہ اُتارا
۷	۱۸	بے شک وہ اور اُن کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھے ہیں۔	بے شک وہ اور اُس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں
۷	۲۵	تصرّف کیا؛ لیکن قطاب (اے شعیب)	تصرّف کیا؛ لیکن خطاب (اے شعیب)
۷	۲۷	مفہوم کوئی کیا لے گا	مفہوم کوئی یہ بھی لے سکتا ہے
۸	۲۳	کہ پہنچے اُن پر آفت ہماری	کہ آ پہنچے اُن پر آفت ہماری
۹	۶	ان کو ڈرا دیا اور لائے بڑا جادو	اُن کو ڈرا دیا اور بڑا جادو لائے
۹	۷	سو وہ جبھی نگلنے لگا	سو وہ جبھی لگا نگلنے
۹	۱۰	لوگوں کی نگاہوں پر جادو کر دیا	لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا
۹	۱۰	ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد (کالم ۲)	ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد
۹	۱۱	کیا جائے تو اُن کے دل ڈر جائیں (۶)	کیا جائے اُن کے دل ڈر جائیں
۹	۱۵	ہم نے اُن کو جو روزی دی ہے (کالم ۱)	ہم نے جو اُن کو روزی دی ہے
۹	۲۱	اور بے شک مسلمان کا ایک گروہ اس پر نا خوش تھا (کالم ۲)	اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر نا خوش تھا
۱۲	۱۰	تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس فرمایا	تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس ہوا

۸	۲۱ تا ۲۴	پورا پیراگراف (چار سطریں) قلم زد	
۱۴	۹	تو جب اللہ نے اپنے فضل سے دیا	تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا
۱۴	۱۱	جس دن تک وہ اس سے ملیں گے	جس دن تک کہ وہ اُس سے ملیں گے
۱۵	۱۱	کچھ گنوار ایسے ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کریں	کچھ گنوار وہ ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کریں

سہ ماہی ''افکار رضا'' ممبئی بابت جنوری تا جون ۲۰۰۲ء جلد ۸ شمارہ ۱۔۲ (۲۷۔۲۸)

۵	۲	اور بے شک وہ اپنا داؤں چلے	اور بے شک وہ اپنا سا داؤں چلے
۶	۱۶	اور راہ دکھاتا ہے جس کو چاہے	اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے
۶	۶	اور وہ آئیں تو انہیں مہلت نہ ملے	اور وہ اُتریں تو انہیں مہلت نہ ملے
۶	۱۹	تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدے میں گر گئے	تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدے میں گرے
۶	۲۱	ڈھیل دی اُس مقررہ وقت کے دن تک	ڈھیل دی اُس مقرر وقت کے دن تک
۷	۴	اور میں ضرور اُن سب کو بے راہ کردوں گا	اور ضرور میں اُن سب کو بے راہ کردوں گا
۸		پاورق کا حاشیہ ایک سطر اوپر کمپوز ہو گیا ہے اس صفحے کی آخری سطر حاشیے کی اوپر ہونی چاہیے	
۱۰	۲۲	پھر ٹھہرایا ہم نے اُس کے واسطے دوزخ	پھر ٹھہرایا ہے ہم نے اس کے واسطے دوزخ
۱۱	۱۱		کرنے اور نہ پھیر دینے کا
۱۲	۸	تو نے مجھ کو قیامت تک مہلت دی تو میں ضرور اس	تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو ضرور میں اس
۱۳	۸	کہ دکھادیں اس کو اپنی قدرت کے نمونے	کہ دکھادیں اُس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے
•	۲۴	جیسا یہ بکتے ہیں تو وہ عرش کے مالک کی طرف	جیسا یہ بکتے ہیں جب تو وہ عرش کے مالک کی طرف
۱۴	۸	تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اس کے پیچھے	تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے
۱۴	۱۱	کے منھ کے اور دوڑیں تیری آنکھیں	کے منھ کے اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں
۱۴	۱۹	پھر ملا اُس کو پھل پھر بولا اپنے ساتھی سے	اور ملا اُس کو پھل بھر بولا اپنے ساتھی سے
۱۴	۲۷	اور آدمیوں کا زیادہ ضرور رکھتا ہوں	اور آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں
۱۵	۲۰ تا ۲۸	آیت ۹۹ (سورہ کہف کا پورا جائزہ قلم زد کر دیا جائے)	
۱۶	۴	سب سے بڑھ کر ناقص عمل کس کے ہیں	سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں

واضح ہو کہ اس سلسلے میں ابتدا سے اب تک اعراب، شوشوں، نقطوں وغیرہ کی غلطیاں ہوئی ہیں ان کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ ان کو قارئین خود ٹھیک کر سکتے ہیں۔

فقط صابر سنبھلی

از: ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
ریڈر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، ہمدرد نگر، نئی دہلی

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا مسلک

مشہور حدیث ہے میری اُمت میں تہتر ۷۳ فرقے ہوں گے ان میں صرف ایک ہی فرقہ ناجی ہوگا باقی بہتر ۷۲ جہنمی ہوں گے۔ ناجی فرقہ کون سا ہوگا اس میں بڑا اختلاف ہے۔ ہر مکتب فکر کے ماننے والے اپنے آپ کو ناجی کہتے ہیں۔ لیکن سچ بات یہ ہے ناجی فرقہ وہی ہے جس نے صراط مستقیم پر چل کر اپنی زندگی بسر کی ہو۔ قرآن حکیم میں اسی حکمت کے تحت صراط مستقیم پر ثابت قدمی کے ساتھ چلنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ صراط مستقیم پر چلنے کا نتیجہ کیا ہوگا اس کی وضاحت خود قرآن حکیم نے انعمت علیھم سے کی ہے۔ اس نعمت کا زمرہ میں وہی لوگ آتے ہیں جو اپنی دینی و تبلیغی کارناموں کی بنیاد پر نہ صرف زندہ و تابندہ ہیں بلکہ ان کا کردار و عمل ملت اسلامیہ کے لیے آج بھی مشعل ہدایت ہے۔

قدیم اسلامی تاریخ میں ملت اسلامیہ کے دو ہی فرقے مشہور تھے۔ ایک فرقہ کو شیعہ اور دوسرے فرقہ کو سُنّی کہا جاتا تھا۔ حکومت کی نظروں میں آج بھی یہی دو فرقے مستند مانے جاتے ہیں۔ عربی و فارسی بورڈ اتر پردیش کے امتحان کے فارم پر آج بھی امیدوار سے صرف شیعہ اور سُنّی ہی کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتی ہے۔ شیعہ کسے کہتے ہیں اس کی وضاحت کی یہاں ضرورت نہیں۔ سُنّی کی تعریف مختصر طور پر یہ کی گئی ہے کہ جو ما انا علیہ و اصحابی کا مصداق ہو۔ میں پورے عالم اسلام کی بات تو نہیں کرتا۔ بات صرف ہندوستان کے تناظر میں کی جارہی ہے۔ کتب تواریخ ہند سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے قدیم مسلم باشندے یا تو شیعہ تھے یا سُنّی تھے۔ سُنّی علماء و فضلاء کی مذہبی فکر وہی تھی جو اسلاف کی تھی۔ وہ اپنے اسلاف کے عقیدے پر مضبوطی سے قائم تھے۔ انھوں نے کسی مصلحت کے تحت زمانہ سے کسی معاملہ میں کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ مولنا سید سلیمان ندوی صاحب کے سامنے جب ایک مرتبہ ملت اسلامیہ کے فرقوں کا ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا!

> ”تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر گامزن رہا اور اپنے آپ کو اہل السنّت کہتا رہا اس گروہ کے زیادہ تر پیشوا بریلی اور بدایوں کے علماء تھے۔“ (۱)

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے اس قول کو بھی سید صاحب کی تائید میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں، ”امرتسری میں مسلم آبادی غیر مسلم آبادی کے مساوی ہے اسّی سال پہلے تقریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی حنفی کہا جاتا ہے۔“ (۲)

مشہور اسلامی مورخ شیخ محمد اکرام نے بھی کچھ اسی طرح کا خیال پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''فاضل بریلوی مولانا احمد رضا نے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی۔'' (۳)

برصغیر کے مسلمانوں کا عقیدہ کیا تھا آج کی موجودہ اصطلاح میں وہ بریلوی تھے یا دیوبندی، اہل حدیث اور اہل قرآن تھے یا ان کا کوئی اور ہی نقطۂ نظر تھا۔ ان اختلاف کا نقطہ آغاز کیا ہے یہ بحث باضابطہ ایک الگ مقالہ کی متقاضی ہے، تاہم اتنا مسلم ہے کہ برصغیر کے قدیم مسلمانوں کا مذہبی تعلق مسلک اہل سنت و جماعت سے تھا۔ جنھیں عرف عام اور خصوصاً شمالی ہند میں آج بریلوی کہا جاتا ہے۔

جب ہم برصغیر کے مسلمانوں کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے بیشتر عوام و خواص کی زندگی مسلک اہل سنت و جماعت پر گامزن رہ کر خلفائے راشدین، ائمہ دین اور مشائخ طریقت کی اتباع و پیروی میں گذری اور دینی امور میں اسی قدیم روش کو بہتر سمجھ کر اس پر سختی سے گامزن رہے۔

یہ سلسلہ برصغیر میں محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے ہوتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور پھر ان کے فرزند سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تک جاری رہا۔ پھر انھیں ہی کے خانوادہ کے ایک نامی گرامی شخصیت سے جو مسلکی منافرت کی آگ بھڑکی تو اس کے شعلے آج تک بھی سرد نہ ہوسکے۔ ایسا انھوں نے کیوں کیا اس موضوع پر متعدد کتابیں متعدد زبانوں میں آچکی ہیں ارباب ذوق ان کتابوں کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

برصغیر کے قدیم علماء کے مذہبی نظریات و معتقدات کیا تھے۔ اس کا جائزہ لینے کے بجائے مناسب ہوگا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مسلکی رجحانات کا جائزہ لے لیا جائے جنھیں ہر مکتب فکر کے لوگ اپنا مسلکی پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ برصغیر کی یہ وہ واحد شخصیت ہے جسے ہر مسلک کے ماننے والے علماء نے اپنا قائد تسلیم کیا ہے اور اپنے عقائد و نظریات کی تائید میں ولی اللٰہی اقوال پیش کئے ہیں۔ صاحب نزہۃ الخواطر (الاعلام) نے مفتی عنایت احمد کاکوروی کے حوالے سے لکھا ہے:

" ان الشیخ ولی اللہ مثلہ کمثل شجرہ طوبیٰ اصلھا فی بیتہ وفرعھا فی کل بیت من بیوت المسلمین فما من بیت ولا مکان من بیوت المسلمین و امکنتھم الا وفیہ فرع من تلک الشجرۃ لا یعرف غالب الناس این اصلھا"

(۴)

(شاہ ولی اللہ کی مثال شجرِ طوبیٰ کی طرح ہے کہ تنہ ان کے گھر میں ہے اور اس کی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں تک پہونچی ہوئی ہیں مسلمان کا کوئی گھر اور ٹھکانا ایسا نہیں جہاں اس کی ٹہنی نہ پہونچی ہو، اکثر لوگوں کو خبر نہیں کہ اس ٹہنی کی جڑ کہاں ہے۔)

کتب تصوف کے مطالعہ سے حضرت شاہ صاحب کے جن عقائد و نظریات کا پتہ چلتا ہے اس سے تو یہی ثابت ہورہا ہے کہ شاہ صاحب اسی مسلک کے حامی تھے جس کی ترجمانی اور نشر و اشاعت اس دور میں علمائے اہل سنت و جماعت بالفاظ دیگر سنی بریلوی علماء کررہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب علم غیب، حاضر و ناظر، تصرف و اختیار، میلاد شریف، احیائے موتی، نذر و نیاز، عرس و فاتحہ زیارت قبور اور

استمداد و استعانت کے سلسلے میں بہت واضح اپنا موقف رکھتے تھے۔ ان میں بعض پر ان کا اور بعض پر ان کے آباء واجداد کا عمل تھا۔ جسے شاہ صاحب نے نہ صرف اپنی کتابوں میں بیان کیا بلکہ ان پر عمل کرنے کی خود کوشش بھی کی۔ ذیل میں اُن کی اُن تصانیف سے جن کا تعلق کتب تصوف سے ہے بلاتبصرہ کچھ عبارتیں بطور شہادت پیش کی جارہی ہیں۔ ممکن ہے کہ ان عبارتوں کو ہمارے بعض محققین الحاقی کہیں تو اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کسی قدر مقالہ کے آخر میں کی گئی ہے جس سے تمام شکوک وشبہات زائل ہوگئے ہیں۔

تصرفاتِ اولیاء:

شاہ صاحب کی کتب تصوف میں ''انفاس العارفین'' اور اب ''القول الجلی'' کو بڑی شہرت ملی ''انفاس العارفین'' کے مترجم جناب سید محمد فاروق قادری نے اسے ولی اللہی تصوف کی معرکۃ الآرا کتاب قرار دیا ہے۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۷ء کا مطبوعہ نسخہ اس وقت راقم کے سامنے ہے۔ اس نسخہ کے ص ۲۵ پر شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد کے پیر و مرشد حضرت خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس تذکرہ میں شاہ صاحب ایک واقعہ میں درج کرتے ہیں:

> ''حضرت خلیفہ ابوالقاسم سفر حج میں جہاز کے اندر اپنے ساتھیوں کو اولیاء اللہ کے بلند مقامات اور ان کے کرامات کا بیان کررہے تھے کہ بات طی الارض یعنی چشم زدن میں دور دراز مقامات کو طے کرنے اور مشی بر آب یعنی پانی پر قدم سے چلنے کی بات چل پڑی تو جہاز کے کپتان نے ان کی کرامات سے انکار کردیا اور کہنے لگا کہ ایسے جھوٹ کے طومار بہت سے سننے میں آئے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی یہ سن کر خلیفہ ابوالقاسم کی غیرتِ ایمانی جاگ اٹھی رہا نہ گیا اور سمندر میں چھلانگ لگادی یہ دیکھ کر لوگوں نے کپتان کو ملامت کی اور کپتان خود بھی اس بات پر نادم ہوا کہ میرے انکار کی وجہ سے فقیر ہلاک ہوگیا اور آپ کے رفقاء بھی آپ کی جدائی سے غمگین ہونے لگے کہ حضرت خلیفہ نے آواز دی کہ رنجیدہ نہ ہوں میں بخیر عافیت ہوں اور پانی کی سطح پر سیر کررہا ہوں۔ یہ منظر دیکھ کر اہل جہاز اور کپتان حضرت کے نیاز مندوں میں شامل ہوگئے۔'' (۵)

علم غیب:

علم غیب کے تعلق سے بھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا عقیدہ بالکل واضح تھا اس سلسلے میں ان کے نظریات وہی تھے جو اس دور اکابر سنی علماء کا تھا اس کا اعتراف شاہ صاحب نے فیوض الحرمین میں ان الفاظ میں کیا ہے:

''العارف ینجذب الی خیر الحق فیصیر عنداللہ فیتجلیی لہ کل شئی'' (٦)

اس طرح اور بھی دوسری عبارتیں ان کی تصانیف میں پائی جاتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ

حضور سید عالم ﷺ کی ذات مبارکہ تو بہت ہی ارفع و اعلیٰ اور بلند وبالا ہے۔ عام انسانوں میں جب کوئی بندہ ترقی کر کے بارگاہ خداوندی کے قریب ہو جاتا ہے تو اس پر ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ اس تعلق سے صرف دو واقعات ان کے والد ماجد کے ولی اللہی تصوف کی مستند کتاب انفاس العارفین کے حوالے سے ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

''میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن عصر کے وقت میں مراقبہ میں بیٹھا تھا کہ غیبت کی کیفیت طاری ہوئی میرے لیے اس وقت کو چالیس ہزار برس کے برابر کردیا گیا۔ اس مدت میں آغاز آفرینش سے روز قیامت تک پیدا ہونے والی مخلوق کے احوال و آثار کو مجھ پر ظاہر کردیا گیا۔'' (۷)

حضرت شاہ صاحب اپنے والد ماجد کا ہی ایک دوسرا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''حضرت والد ماجد ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی کے گھر گئے انھوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ حضرت کی خدمت میں شربت گلاب پیش کرو، وہاں دو بوتلیں رکھی تھیں لڑکے نے بڑی بوتل چھوڑ دی اور چھوٹی بوتل لاکر پیش کردی حضرت والد ماجد نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ بیٹے بڑی بوتل کیوں چھوڑ آئے وہ بھی لے آؤ۔'' (۸)

حاضر و ناظر:

حاضر و ناظر کے تعلق سے بھی ان کا عقیدہ کافی مستحکم تھا۔ وہ نہ صرف سرکار دو عالم ﷺ کو ہی حاضر و ناظر جانتے تھے بلکہ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر اولیاء اللہ کے بھی حاضر و ناظر ہونے پر عقیدہ رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ایک واقعہ اپنے والد ماجد کا بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

''ماہ رمضان میں ایک دن میری نکسیر پھوٹ بڑی تو مجھ پر ضعف طاری ہوگیا۔ قریب تھا کہ میں کمزوری کی بناء پر روزہ توڑ دوں مگر رمضان کے روزہ کی فضیلت کے ضائع ہونے کا غم لاحق ہوا اسی غم میں قدرے غنودگی طاری ہوئی تو حضرت پیغمبر ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھے لذیذ اور خوشبودار زردہ عطا کیا ہے پھر انتہائی خوش گوار اور ٹھنڈا پانی بھی مرحمت فرمایا ہے میں نے سیر ہوکر پیا۔ میں اس غنودگی کے عالم سے نکلا تو بھوک اور پیاس بالکل ختم ہو چکی تھی عقیدت مندوں نے احتیاطاً میرے ہاتھوں کو دھوکر پانی کو محفوظ کرلیا اور تبرکاً اس سے روزہ افطار کیا۔'' (۹)

اسی کتاب میں حضرت شاہ صاحب ایک دوسرا واقعہ بھی اپنے والد ماجد ہی کے تعلق سے نقل فرماتے ہیں۔

''محمد فاضل نے چاہا کہ اپنے بیٹے کو اجمیر بھیج دے اور راستے کی بدامنی کے پیش نظر وہ خود بھی اس کے ساتھ جانا چاہتا تھا۔ جب مجھ سے رخصت ہونے آیا تو میں نے کہا کہ

تمہارے جانے کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ بحفاظت واپس آجائے گا ہاں البتہ واپسی اجمیر سے دو منزل ادھر ڈاکو قافلہ پر حملہ کریں گے مگر اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے ہاں البتہ اسے سمجھا دیجیے کہ اُس وقت اپنی بہل الگ ایک طرف کھڑی کردے جب وہ وقت آیا تو حضرت والا اس طرف متوجہ ہوئے اور توجہ کے دوران آپ کے بدن پر ملال ظاہر ہوا حاضرین نے سبب پوچھا تو فرمایا کچھ دنوں کے سخت سفر نے تھکا دیا ہے۔ جب وہ لڑکا واپس آیا تو بیان کیا کہ وہاں ڈاکو آئے ہوئے تھے میں نے اپنی بہل کو ایک طرف کردیا وہاں حضرت والا مثالی صورت میں موجود تھے ڈاکوؤں نے پورے قافلے کو لوٹا مگر میری بہل محفوظ رہی۔'' (١٠)

اس واقعہ کو ذکر کرنے بعد مفتی جلال الدین احمد امجدی اپنی کتاب ''بزرگوں کے عقیدے'' میں لکھتے ہیں:

''سرکار دو عالم ﷺ کا مدینہ شریف سے جان لینا کہ دہلی میں حضرت شاہ عبدالرحیم کو انتہائی بھوک و پیاس کے سبب بہت کمزوری پیدا ہوگئی ہے اور پھر حضور ﷺ کا ان کو کھانے پینے کے لیے خوشبودار زردہ اور خوشگوار ٹھنڈا پانی مرحمت فرمانا اور خود حضرت شاہ عبدالرحیم کا اجمیر شریف سے دو منزل ادھر ڈاکہ پڑنے کو دہلی میں بیٹھے ہوئے دیکھنا اور عین وقت پر محمد فضل کے بیٹے کی حفاظت کے لیے مثالی صورت میں پہنچ جانا یہ سب حاضر و ناظر کا کام ہے لہٰذا حضرت شاہ ولی اللہ نے ان واقعات کو لکھ کر اپنا یہ عقیدہ ثابت کردیا کہ حضور سید عالم ﷺ حاضر و ناظر ہیں بلکہ اولیاء اللہ بھی حاضر و ناظر ہوتے ہیں'' (١١)

احیائے موتیٰ (مُردوں کی زندگی)

اللہ کے نیک بندے اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں اور وقت ضرورت دنیا والوں سے باتیں بھی کرتے ہیں اس تعلق سے دو تین واقعات شاہ صاحب کی تصانیف میں ملتے ہیں اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مردوں کی قبروں کی زندگی کے جواز کے تعلق سے ان کا موقف بالکل علمائے اہل سنت و جماعت کی طرح تھا۔ اس لیے انہوں نے ان واقعات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے۔

''کہ جن دنوں اورنگ زیب اکبر آباد میں تھا یہ محتسب لشکر مرزا زاہد ہروی سے کچھ اسباق پڑھتا تھا۔ اس بہانے میں اپنے والد کے ہمراہ اکبر آباد گیا سید عبداللہ بھی سید عبدالرحمٰن کی رفاقت کے سبب وہاں موجود تھے۔ وہاں انہیں ایک عارضہ ہوگیا اور رحمت حق سے واصل ہوئے انھوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے مسکینوں کے قبرستان میں دفن کرنا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ میں بھی اس دن شدید بیمار تھا جنازہ کے ساتھ جانے کی سکت نہیں تھی جب میں تندرست ہوا اور چلنے پھرنے کی طاقت پیدا ہوئی تو ایک ایسے شخص کے ساتھ جو ان کی جنازہ و دفن میں موجود تھا زیارت و برکت کے لیے ان کے

مزار مبارک کی طرف چل پڑا۔ یہ ان کی آخری وصیت کا کمال تھا کہ میرے ساتھی کافی غور وخوض کے با وجود بھی ان کی قبر نہیں پہچان سکے۔ بالآخر اندازے سے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا میں وہاں بیٹھ کر قران مجید پڑھنے لگا میری پشت کی طرف سے سید صاحب نے آواز دی کہ فقیر کی قبر ادھر ہے لیکن جو کچھ شروع کر چکے ہو اسے وہیں تمام کرلو اوراس کا ثواب اس قبر والے کو بخش دو۔ جلدی مت کرو جو کچھ پڑھ رہے ہو اسے انجام تک پہنچاؤ۔ تھوڑی دیر سوچ کر کہنے لگا کہ میں غلطی پر تھا حضرت سید صاحب کی قبر تمہارے پیچھے ہے میں اس سمت ہوکر بیٹھا اور قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اسی اثنا میں دل گرفتہ اور غمگین ہونے کے سبب اکثر مقامات پر قواعد قرأت کی رعایت نہ کر سکا قبر میں سے آواز آئی کہ فلاں فلاں جگہ پر تساہل سے کام لیا ہے قران کے معاملے میں حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔" (۱۲)

اللہ کے یہ برگزیدہ بندے نہ کہ صرف اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں بلکہ وہ تصرف کے ذریعہ عام انسانوں کی مدد بھی کرسکتے ہیں اس طرح کا ایک واقعہ شاہ عبدالعزیز نے بتایا کہ خود میرے والد ماجد کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"جب میرے والد ماجد مکہ معظمہ پہونچے تو حضرت امام حسن کوخواب میں دیکھا حضرت نے شاہ صاحب کے سر پر ایک چادر ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا یہ میرے نانا ﷺ کا قلم ہے اس کے بعد فرمایا ٹھہرئیے امام حسین بھی تشریف لارہے ہیں جب وہ تشریف لائے تو انھوں نے قلم کوتراش کر والد ماجد کے ہاتھ میں دیا اسی وقت نسبتِ باطن اور تقریر کا اتنا رنگ بدل گیا کہ جن لوگوں نے (شاہ صاحب سے) پہلے استفاضہ کیا تھا وہ سابقہ نعمت کا احساس تک نہیں کرتے تھے۔" (۱۳)

زیارت قبور:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی زیارت قبور کو امر مستحسن سمجھتے تھے وہ ہر پریشانی کے وقت زیارت مزارات اولیاء کا مشورہ دیتے تھے انفاس العارفین کے ص ۱۰۷ پر یہ عبارت آج بھی موجود ہے۔

"اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور" (۱۴)

جب تم کسی معاملہ میں الجھ جاؤ تو اصحاب قبور سے استعانت کرو

حضرت شاہ صاحب اور ان کے آباء واجداد کا اس پر عمل تھا کہ وہ بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دینے اور ان سے استفادہ و استعانت کو جائز سمجھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کا مکتوب المعارف میں ایک خط شائع ہوا ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

"جب میں حضرت میاں شاہ حبیب اللہ جیو کے مزار اقدس پر پہونچا اور فاتحہ پڑھ کر لطائف کی طرف متوجہ ہوگیا تو کیا دیکھتا ہوں میرے سامنے ایک نور ہے اور اس کے بالمقابل ایک دوسرا نور ہے جو مزار انور سے ظاہر ہوا ہے تھوڑی دیر میں یہ دونوں نور باہم مل کر ایسے ہوگئے جیسے پانی حباب ٹوٹنے کے بعد یا لڑی گرہ کھلنے کے بعد۔ اس منظر سے میں انتہائی مسرور و محظوظ ہوا۔" (۱۵)

حضرت شاہ صاحب کی ولادت خود ایک بزرگ کی بشارت سے ہوئی اس کا اعتراف شاہ نے کیا ہے۔ وہ اپنے والد ماجد کا قول نقل کرتے ہیں کہ میرے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے فرمایا:

''ایک دفعہ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لیے گیا آپ کی روح مبارک ظاہر ہوئی اور مجھ سے فرمایا کہ تمہیں ایک فرزند پیدا ہوگا اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا اس وقت میری زوجہ عمر کے اس حصہ کو پہونچ چکی تھیں جس میں اولاد کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ میں نے سوچا شاید اس سے مراد بیٹے کا فرزند یعنی پوتا ہے میرے اس وہم پر آپ فوراً مطلع ہوگئے اور فرمایا مقصد یہ نہیں بلکہ یہ فرزند تمہارے صلب سے ہوگا کچھ عرصہ بعد دوسرے عقد کا خیال پیدا ہوا اور اس سے کاتب الحروف ولی اللہ پیدا ہوا۔ میری پیدائش کے وقت والد ماجد کے ذہن سے یہ بات نکل گئی اس لیے انھوں نے ولی اللہ نام رکھدیا کچھ عرصہ بعد جب انہیں یہ واقعہ یاد آیا تو انھوں نے میرا دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا'' (۱۶)

اس واقعہ سے کئی باتیں معلوم ہوئیں پہلی بات تو یہی کہ مزارات اولیاء کے لیے سفر کرنا جائز ہے خود حضرت شاہ عبدالرحیم چل کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی بارگاہ میں پہونچے۔ اولیاء اللہ کو بعد وصال بھی علم غیب ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب نے کئی سال قبل ہی فرزند کی ولادت کی بشارت دی اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس میں شاہ عبدالرحیم کو جب کچھ تردد ہو تو خطرات قلب پر آگاہی حاصل کرتے ہوئے اسے بھی دور کردیا۔

مزارات کی حاضری اور وہاں سے حاصل ہونے والے فیوض و برکات کے تعلق سے ذکر شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر کیا ہے الدر الثمین میں لکھتے ہیں کہ:

''میں نے مدینہ منورہ میں مکمل سات مہینے قیام کئے علم ظاہر میں وہاں کے علماء سے استفادہ کیا اور علم باطن میں روضہ مقدسہ کی جاروب کشی کی۔ حضرات اہل بیت اطہار کے روضہ مقدسہ کی زیارت اور وہاں پر مراقبات سے مجھے بے حد روحانی فائدہ حاصل ہوا۔

فمن یومئذ انشرح صدری للتصنیف فی العلوم الشرعیه والحمدالله

اسی دن سے میرا سینہ کھل گیا علوم شریعت کی تصنیف میں (۱۷)

اس کا اعتراف حضرت شاہ صاحب نے فیوض الحرمین میں بھی کیا ہے:

''جب میں نے اہل بیت اطہار کے قبور کی زیارت کی تو مجھ پر ایک خاص طریقہ کا اظہار ہوا جو اولیاء کا طریقہ ہے۔''

حضرت شاہ صاحب اپنے والد ماجد کے مزار سے جس طرح مستفیض ہوئے اس کا انھوں نے برملا اعتراف اپنے فرزند حضرت شاہ عبدلعزیز سے بھی کیا ایک دن انھوں نے اپنے فرزند کو مخاطب کرکے فرمایا:

''ہمارے والد جب دنیا سے آخرت کو منتقل ہوئے تو ہماری عمر تمہاری اس عمر کی طرح

تھی اور میرے چھوٹے بھائی میاں کی عمر رفیع الدین کی سی عمر تھی میں آپ کے مزار شریف پر آپ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھا کرتا تھا پھر مجھ پر راہ حقیقت کھلی ان حکایات کے بعد آپ نے آگاہ کیا کہ میری رحلت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔" (١٨)

اپنی اس نصیحت میں شاہ صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز کو شاید یہ بتلانا چاہتے تھے کہ مجھے جو یہ نعمت ملی ہے اس کی ابتداء والد ماجد کے مرقد مبارک سے ہوئی اور اس کا اتمام سرکار دو عالم ﷺ کے روضہ مبارکہ پر ہوا۔ درج بالا عبارت سے یہ بات مترشح ہے کہ اصل بات تو مزارات پر حاضری، ان سے استمداد، اکتساب فیوض و برکات و کشف قبور وغیرہ ہے جن پر شاہ عبدالرحیم سے لے کر شاہ عبدالعزیز تک سارے بزرگ عامل رہے۔ اور اس قسم کے واقعات سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ باقی رہا مزار کو مستقل حاجت روا سمجھنا تو کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اسے شرک نہ سمجھتا ہو۔

میلاد و فاتحہ

ماہ ربیع الاول شریف کی ١٢ر تاریخ کو میلاد شریف منعقد کرنا، کھانا پکوانا، نذر و نیاز دلوانا اور غرباء و مساکین میں کھانا تقسیم کرانا اس کا رواج خاندان ولی اللہی میں پہلے سے ہی تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے الدر الثمین میں حدیث نمبر ٢٢ کے تحت اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم کے معمولات کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

"میں ایام مولود شریف میں آنحضرت ﷺ کے میلاد کا کھانا پکوایا کرتا تھا ایک سال کچھ پاس نہ تھا بھنے ہوئے چنے تھے میں نے ان کو غرباء و مساکین میں تقسیم کیا میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے بھنے ہوئے چنے رکھے ہوئے ہیں آپ شاد و بشاش ہیں۔" (١٩)

یہ معمول صرف آپ کے آباء و اجداد کا ہی تھا خود شاہ صاحب بھی ١٢ر ربیع الاول شریف کو ایک مبارک اور مقدس دن کے طور پر منایا کرتے تھے القول الجلی میں اس کی صراحت شاہ صاحب کے الفاظ میں اس طرح موجود ہے

'قدیم طریقہ کے مطابق ١٢ ربیع الاول کو میں نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور آنحضرت ﷺ کی کچھ نیاز تقسیم کی اور آپ کے مبارک بال کی زیارت کرائی۔ تلاوت کلام پاک کے دوران ملاء اعلیٰ کا ورود ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی روح پر فتوح نے اس فقیر اور اس سے محبت کرنے والوں کی طرف بہت التفات فرمائی۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ ملاء اعلیٰ (فرشتوں کی ٹولی) اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی جماعت نیاز مندی اور عاجزی کی بناء پر بلند ہو رہی ہے (عروج کر رہی ہے) اور اس کیفیت کی برکتیں اور اس کی لپٹیں حاضر ہو رہی ہیں۔" (٢٠)

درج بالا عبارت سے بالکل صاف ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحب خاص ١٢ر ربیع الاول کو سرکار

دو عالم ﷺ کی فاتحہ اور نیاز دلواتے اور نیک بخت حاضرین کو موئے مبارک زیارت کراتے۔ میلاد رسول ﷺ کی خوشی میں شیرینی تقسیم کرتے بلاشبہ ان کے اس عمل سے خود اور ان کے حاضرین محفل کے درجات بلند ہوتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ، سرکار دو عالم ﷺ کا فاتحہ تو کرتے ہی تھے۔ حضرات ائمہ اہل بیت اطہار کا بھی فاتحہ کراتے تھے "القول الجلی" کے مرتب نے اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کا ایک ملفوظ نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"عاشورہ کے ایام میں حضرات ائمہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف سے مکرر ارشاد ہوا کہ ان حضرات کی فاتحہ کرائی جائے چنانچہ ایک دن شیرینی منگوائی گئی اور قرآن مجید کا ختم کر کے فاتحہ دلائی گئی جس سے حضرات ائمہ اطہار کی ارواح طیبہ میں خوشی اور مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔" (۱۲)

میلاد اور اس کے فیوض و برکات کے تعلق سے حضرت شاہ صاحب نے اپنا ایک واقعہ فیوض الحرمین میں ان الفاظ میں درج کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"جب میں آنحضرت ﷺ کے مولد مبارک میں تھا میلاد شریف کے دن اور لوگ بھی جمع تھے درود شریف پڑھتے اور معجزے بیان کرتے تھے جو ولادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے اور وہ مشاہدے جو نبوت سے پہلے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ اک بارگی انوار ظاہر ہوئے میں نہیں کہتا کہ ان آنکھوں سے دیکھا اور نہ یہ کہتا ہوں کہ روح کی آنکھوں سے دیکھا فقط خدا جانے کہ کیا امر تھا ان آنکھوں سے دیکھا کہ روح کے؟ پس تامل کیا تو معلوم ہوا کہ نور ان ملائکہ کا ہے جو ایسی مجلسوں پر موکل ہیں اور میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ اور اور انوار رحمت دونوں ملے ہوئے ہیں" (۲۲)

درج بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ میلاد شریف منعقد کرنا اس میں درود شریف کا ورد اور معجزات کا ذکر کر کے رسول مقبول ﷺ کی یاد تازہ کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ایسی مبارک محفلوں میں من جانب اللہ رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور سامعین پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

عرس مبارک:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی اور سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا عرس سراپا قدس بڑے اہتمام سے منایا کرتے تھے اور صرف عرس ہی نہیں بلکہ فاتحہ سوئم اور چہلم کا بھی اہتمام کیا کرتے تھے۔ شاہ صاحب کے مجموعہ ملفوظات "القول الجلی" نامی کتاب میں اس کا ذکر بڑی تفصیل سے موجود ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت شاہ صاحب اپنے والد کی قبر اطہر کے پاس خاموش بیٹھے تھے کہ اچانک آپ کو الہام ہوا کہ یہ بات لوگوں تک پہونچا دوں:

''یہ فقیر چند نسبتیں رکھتا ہے ایک نسبت سے ولی اللہ فرزند عبدالرحیم ہے اور ایک نسبت سے انسان ہے اور ایک نسبت سے حیوان اور ایک نسبت سے نامی اور ایک نسبت سے جسم اور ایک نسبت سے جوہر اور ایک اعتبار سے وہ موجود ہے۔ اس اعتبار سے میں پتھر بھی ہوں اور درخت بھی ہوں، گھوڑا بھی اور ہاتھی بھی اونٹ بھی اور بھیڑ بھی۔ آدم کو اسماء کی تعلیم میں تھا، نوح کا طوفان جو اٹھا اور ان کی کامیابی کا سبب بنا وہ میں تھا۔ ابراہیم پر جو گلزار ہوا وہ میں تھا موسیٰ کی تورات میں تھا۔ عیسیٰ کا مردہ کا زندہ کرنے میں تھا۔ مصطفیٰ ﷺ کا قرآن میں تھا۔ سب تعریف اللہ رب العزت کے لیے ہے۔'' (۲۳)

آپ کے محترم چچا حضرت شیخ ابوالرضا کا عرس بھی بڑے اہتمام کے ساتھ منایا جاتا تھا اس عرس کے فیوض و برکات سے حضرت شاہ ولی اللہ بھی مستفیض ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے عرس کی رات کو ان کے مقبرہ میں لوگوں کی بھیڑ اور نغمہ سرائی کا ہنگامہ برپا تھا۔ لوگ اپنے شوق اور وجد میں مصروف تھے۔ میں عشاء کے بعد اپنی مسجد شریف میں بیٹھا تھا کہ نور کا ایک ٹکڑا میرے پاس آیا اور آواز آئی کہ وہاں ذوق وشوق اور روح مبارک کی کرامات کا جو کچھ ظہور ہوا ہے وہ سب مل کر اس صورت میں ہوگئے ہیں جو آپ کو ارسال کیا گیا ہے۔ اس دوران نفس ناطقہ کا اثر تمام عالم میں ظاہر ہوا اور یہ بات واضح کی گئی کہ وہ نور اسی منبع کا تابع ہے۔'' (۲۴)

حضرت شاہ صاحب نے نہ یہ کہ صرف اپنے آباء واجداد کا عرس کیا ہے۔ بلکہ دیگر اولیاء اللہ کے اعراس میں بھی شرکت کی اور ان کی ارواح سے استفادہ کیا ہے۔ ''القول الجلی'' کے مرتب لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حضرت مخدوم جمال الدین قدس سرہ کے عرس کے دن موضع پھلاودہ قبر شریف کی زیارت کے لیے گئے۔ وہاں بہت بھیڑ تھی۔ آپ کی قبر شریف کو چومنے میں لوگ کثرت سے مصروف تھے۔ آپ نے تھوڑی دیر وہاں توقف کیا پھر مقبرہ سے باہر آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا جب تک انسان زندہ رہتا ہے، جس قدر بھی وہ اللہ کی یاد کرتا ہے اس کو ترقیات حاصل ہوتی ہیں اور جسمانی تعلق کی وجہ سے بشریت اور عالم اسلام کے بندھنوں کی وجہ سے پوری طرح چھٹکارا نہیں پاسکتا اور جب وہ اس جہاں سے رخصت ہوجاتا ہے اس وقت اس کو بشریت کے عوارض سے پوری طرح نجات حاصل ہوجاتی اور اس پر لاہوتی صفت غالب آجاتی ہے لہٰذا لوگ اس کی طرف جھکتے ہیں'' (۲۵)

حضرت شاہ صاحب نے اصل عبارت میں جملہ کا اختتام 'لہذا مسجودی شود' پر کیا ہے جس کا ترجمہ سطور بالا میں ''جھکتے ہیں'' سے کیا گیا ہے۔ یہ شان مسجودیت کسی نیک بندے کو خداوند عالم کا قرب حاصل کرنے کے بعد ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وہ برگزیدہ بندے جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور جن کا دیکھنا سننا پکڑنا چلنا سب اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوتا ہے۔ ایسے برگزیدہ بندوں کی محبت اللہ تعالیٰ عوام کے دلوں میں ڈالدیتا ہے پھر عوام کے دل خود بخود اس کی طرف جھکتے ہیں۔ یہی ہے شان مسجودیت جو اولیاء اللہ کو فنافی اللہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

کشف :

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کشف بزرگ تھے مستقبل میں پیش آنے والے چیزوں سے آگاہی انہیں قبل از وقت ہوجایا کرتی تھی یہ اس کشف کا اظہار جابجا ان کی تصانیف میں درج ذیل عبارتوں سے ہوتا ہے۔ مشہور نقشبندی بزرگ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب کے کشف کے تعلق سے ایک قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا صحیح کشف عطا کیا ہے کہ روئے زمین کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں سب کچھ ہاتھ کی ہتھیلی کی لکیروں کی طرح مجھ پر عیاں ہے'' (۲۶)

حضرت شاہ صاحب نے اپنی اولاد کے تعلق سے لکھا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے لطف سے یہ اولاد جو مجھ کو عنایت کی ہیں سب نیک بخت ہیں اور ان پر ایک طرح کی فرشتگی کا ظہور ہوگا اور غیبی تدبیر کا تقاضہ ہے کہ دو افراد پیدا ہوں جو سالہا سال مکہ اور مدینہ میں علوم دین کی ترویج کریں اور وہیں کی وطنیت اختیار کرلیں ماں کی طرف سے ان کا رشتہ مجھ سے ہوگا'' (۲۷)

شاہ صاحب کا یہ کشف بالکل سچ ثابت ہوا حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ رفیع الدین اور حضرت شاہ عبدالقادر یہ تینوں حضرات بہ ظاہر اور بہ باطن فرشتہ تھے جن دو افراد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سالہا سال مکہ اور مدینہ میں رہ کر دین کی خدمت کریں اس تعلق سے نواب صدیق حسن خاں کا یہ ریمارک قابل توجہ ہے وہ فرماتے ہیں۔

''مصداق ایں آگاہی بہ ظاہر وجود ہر دو نواسۂ شاہ عبدالعزیز دہلوی است مولوی محمد اسحاق و محمد یعقوب کہ از دہلی کردہ در مکہ اقامت نمود سالہا سال بہ احیائے روایت حدیث بہ اہل عرب و عجم پرداختند۔'' (۲۸)

جیسا کہ آغاز گفتگو میں راقم نے بتایا تھا کہ حضرت شاہ صاحب کی وہ واحد شخصیت ہے جسے ہر مسلک کے لوگ انا پیشوا مانتے ہیں۔

لیکن اس مذہبی پیشوا کے دینی عقائد اور مذہبی رجحانات جس کا سطور بالا میں ذکر ہوا اس سے یہ بات طے کرنے میں شاید اب دشواری نہ ہو کہ حضرت شاہ صاحب ہر مکتب فکر کے پیشوا نہیں بلکہ صرف اور صرف مسلک اہل سنت و جماعت کے علمبردار تھے۔ ان کے معمولات و معتقدات اس دور میں وہی تھے جس پر اس دور میں مسلک اہل سنت و جماعت کے افراد سختی سے گامزن ہیں اور اہل سنت و جماعت وہی گروہ ہے جس کی بچی تعبیر اس دور میں بریلویت سے کی جاتی ہے۔ اپنے ان عقائد و نظریات کی بنا پر حضرت شاہ صاحب بلاشبہ سنیوں کے پیشوا و قائد تھے۔ اس کھلی حقیقت کے باوجود کس طرح دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں نے انہیں اپنا پیشوا تسلیم کیا محل نظر ہے؟ اس سلسلہ میں جہاں تک راقم السطور کا مطالعہ کام کررہا ہے وہ وہی ہے جس کی طرف اشارہ دہلی کے مستند عالم دین حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید

فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظوں میں کیا ہے: ''حضرت شاہ ولی اللہ اور آپ کے صاحبزادوں کی تالیفات میں تحریف کا سلسلہ ڈیڑھ سو سال سے رائج ہے۔''

مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے یہ بات یوں ہی نہیں کہی بلکہ انھوں نے اپنے اس قول کی تائید میں حضرت شاہ رفیع الدین کے نواسے مولانا ظہیر الدین سید احمد کا وہ قول پیش کیا ہے جو انھوں نے سو سال قبل فرمایا تھا۔

''آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان کی جانب منسوب کردیا اور درحقیقت وہ تصانیف اس میں سے کسی کی نہیں اور بعض لوگوں نے جو ان تصانیف میں اپنے عقیدے کے خلاف بات پائی تو اس پر حاشیہ جڑا اور موقع پایا تو عبارت کو تغیر و تبدل کردیا۔'' (۲۹)

شاہ صاحب اور ان کے خانوادہ کے بعض افراد کی تصانیف میں تحریف اور الحاقات کا ہی اثر ہے کہ آج ہر مسلک کے لوگ انہیں اپنا پیشوا ماننے پر مصر ہیں ورنہ آپ سنجیدگی کے ساتھ سوچیے کہ جس کا پورا خاندان خالص سنی صحیح العقیدہ ہو وہ کس طرح ہر مکتب فکر کا پیشوا ہوسکتا ہے۔ مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی حیات تک شاہ صاحب کی تمام تصانیف تحریف والحاق اور تغیر و تبدل سے محفوظ تھیں جس زمانہ میں وہابی تحریک کا زور ہوا۔ اسی دور مین یہ سارے کام ہوئے یہ ایک تلخ حقیقت ہے جس کا اظہار مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے ''القول الجلی'' کے مقدمہ میں شرح و بسط کے ساتھ ان لفظوں میں کیا ہے۔

''افسوس ہے مولانا اسماعیل کے پیروان اس کام (تحریف) میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحریرات ومکتوبات حضرت شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن اور ان کی کتابیں، حضرت مجدد الف ثانی ان کی اولاد حضرت غلام علی، حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلوی کے احوال میں خوب ہی تحریف کرکے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولانا اسماعیل دہلوی کا ہمنوا سب کو قرار دیا ہے اللہ تعالی اس کتاب ''القول الجلی'' کو ان لوگوں سے محفوظ رکھے۔'' (۳۰)

شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان کے مصنف مولانا حکیم محمود احمد برکاتی نے تو یہاں تک لکھا ہے:

''شاہ صاحب کی مصنفات کو نایاب کرکے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اپنے مصنفات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کردیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شا صاحب کے نام سے کی گئی'' (۳۱)

یہ کام کن لوگوں نے کیا ہوگا اس کی وضاحت کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ سطور بالا میں اس طرف مختصراً اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی بیشتر تصانیف ایسی ہیں جن کے نام تو ملتے ہیں مگر ظاہر میں اس کا کوئی وجود نہیں ملتا اس کی ایک فہرست مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی نے دی ہے اور حکیم محمود احمد برکاتی نے بھی واضح لفظوں میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جو بیچارے اردو پڑھنے والے ہیں ان میں تجسس کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ شاہ صاحب کی جانب جعلی اور مصنوعی کتابوں کو پڑھ کر ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ میرا فرض ہے کہ میں ان رسائل کے نام سے انہیں آگاہ

کروں وہ جعلی اور مصنوعی رسائل یہ ہیں:

ا۔	تحفۃ الموحدین	اکمل المطابع دہلی	منسوب بہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی
۲۔	بلاغ المبین	مطبوعہ لاہور	منسوب بہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی
۳۔	تفسیر موضح القرآن	خادم الاسلام دہلی	منسوب مولانا شاہ عبدالقادر صاحب
۴۔	ملفوظات	مطبوعہ میرٹھ	منسوب بہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی

جن کتابوں میں تحریفات ہوئی ہیں اس کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ بعض تحریفات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی طرف بعض اپنی تصانیف کا نہ صرف انتساب کیا گیا ہے بلکہ تحریفات وتغیرات بھی کیے گئے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی بعض اہم تصانیف میں حکم قرآن ''تلبسو الحق بالباطل'' کی خلاف ورزی کرتے ہوئے الحاق بھی کیا گیا۔ جس کی طرف اشارہ حضرت شاہ رفیع الدین کے پوتے حضرت سید ظہیر الدین احمد نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''صرف جعلی کتابیں ہی نہیں بلکہ الحاقات بھی ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر شاہ صاحب کی ''تفہیمات' کی یہ عبارت پیش کی جاسکتی ہے جو ان کی ساری تعلیمات میں ہمارے محققین کو سب سے پہلے نظر آتی ہے۔ حالانکہ شاہ صاحب کے دوسرے نظریات سے وہ کوئی لگا نہیں کھاتی۔

کل من ذھب الی بلدۃ اجمیر او الی قبر سالار مسعود او ماضاھا لا جل حاجۃ یطلبھا فانہ اثم اثما اکبر من القتل والزنا الیس مثلہ الا مثل ماکان بعید المصنوعات او مثلا من کان یدعو اللات والعزیٰ. (۳۲)

قطع نظر اس بات کے کہ فی الواقع یہ بات درست ہے کہ نہیں مگر اتنا مسلّم ہے یہ مذکورہ عبارت خود شاہ صاحب کی تحریر جو زیارت قبور کے تعلق سے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' مترجم مولانا عبدالرحیم کلا چوی جلد ۲ ص ۲۵۹ لاہور۔ اور قبرستان میں داخل ہونے کے جو آداب ''القول الجمیل'' میں اور اصحاب قبور سے استمداد کا جو طریقہ سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز نے کمالات عزیزی میں ص ۴۴۷ مطبوعہ سعید کمپنی ادب منزل نے لکھا ہے اس سے متصادم ہے۔ جہاں تک رہی اس عبارت کی صداقت کا معاملہ تو اس سلسلے میں صرف مولانا شاہ ابوالحسن زید ندوی کا تبصرہ برمحل ہوگا وہ لکھتے ہیں۔

''شاہ ولی اللہ کی عبارت میں اس باطل کا ملانے والا شریعت مطہرہ کے اصول وقواعد سے بے بہرہ ہے اس کو یہ معلوم نہیں کہ کسی فعل کے ثواب کو یا گناہ کو فرض قطعی کے ثواب سے یا حرام قطعی کے گناہ سے زیادہ اور بڑا قرار دینا صرف اللہ اور اللہ کے رسول کا کام ہے کوئی دوسرا اس کا بیان نہیں کرسکتا اس شخص کو نہیں معلوم کہ قتل کرنے اور زنا کرنے کے گناہ کا منکر کافر ہے اور اجمیر شریف اور بہرائچ شریف کسی حاجت کے لیے جانے والا اگر کہتا ہے کہ اس میں گناہ نہیں تو وہ کافر نہیں ہے۔'' (۳۳)

شاہ صاحب کے مسلکی رجحانات کے تعلق سے باضابطہ ریسرچ وتحقیق کی ضرورت ہے۔ امید کہ

حضرت شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل کے نگراں اس اہم موضوع کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول کریں گے۔

آج کل دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض دانشور طبقہ شاہ ولی اللہ کے مسلک کو دیوبندی مکتب فکر سے جوڑنے کی ہر ممکن جدو جہد کرتا ہے اور بہانگ دہل یہ کہتا ہے کہ دیوبندی مکتب فکر کے علماء کے معتقدات وہی ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے تھے۔ حالانکہ یہ ان حضرات کی انتہائی غلط فہمی ہے۔ مسلک دیوبند کا ولی اللہی مسلک سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس سلسلہ میں اپنی ذاتی رائے قائم کرنے کے بجائے بہتر ہوگا کہ ایک مستند عالم دین کی تحریر پیش کردی جائے تاکہ حقیقت ارباب حق کے سامنے واضح ہوجائے۔ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری استاد دارالعلوم دیوبند فرزند حضرت مولانا انور شاہ کشمیری دیوبندیت کے تعلق سے فرماتے ہیں۔

''میرے نزدیک دیوبندیت خالص ولی اللہی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خاص خانوادہ کی لگی بندھی فکر دولت و متاع میرا یقین ہے کہ اکابر دیوبند جن کی ابتداء میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ اکبر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے۔'' پھر آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

''یہ دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے کرتا ہوں اس میں شک نہیں کہ ہماری حدیث کا سلسلہ حضرت شاہ صاحب پر ہی منتہی ہوتا ہے اور آج ہند و پاک میں حدیث و قرآن کے جو زمرے سُنے جاتے ہیں ان میں خانوادہ ولی اللہی کا براہ راست دخل ہے اس لیے ان کی خدمات جلیلہ کا انکار نہیں ہوسکتا تاہم کم از کم مجھے تو شاہ صاحب اور دیوبند میں فرق نمایاں اور واضح نظر آتا ہے جس کے بعد دیوبندیت کو ولی اللہی فکر کا ایک سرچشمہ قرار دینے میں مجھے تامل ہے۔'' (۳۴)

حضرت شاہ صاحب کی متعدد تصانیف بطور خاص کتب تصوف میں توسل، استمداد، تصرف، علم غیب، حاضر و ناظر، بزرگانِ دین کے اعراس، میلاد و فاتحہ، نذر و نیاز، اطلاع خواطر، زیارت قبور، الغرض مسلک صوفیہ صافیہ سے بھری پڑی ہے۔ اس سلسلے میں ''انفاس العارفین'' کے مترجم مولانا محمد فاروق ایم اے کا دوٹوک فیصلہ لکھنا مناسب ہوگا۔ انھوں نے شاہ صاحب کے مسلکی رجحانات اور صوفیاء کے معمولات کا ''انفاس العارفین'' میں وضاحت کے ساتھ ذکر کر کے لکھا ہے۔ میں نے یہ چند حوالہ جات صرف اس لیے پیش کئے ہیں تاکہ اہل علم کی توجہ اس طرف مبذول کرادی جائے کہ ان باتوں کو محض بریلویت کی توہم پرستی کہہ کر شرک و بدعت قرار دے دینا تو رٹی سی بات ہے لیکن ذرا سوچیے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شاہ عبدالرحیم، شیخ ابوالرضا، سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز کیا یہ سارے کے سارے محدثین، اور علمائے حق شرک و بدعت کے عقائد و اعمال پر کار بند تھے اگر ایسا نہیں؟ تو پھر کیوں بریلوی علماء کو شرک و بدعت کا مرتکب گردانا جاتا ہے جو اپنے اکابر حضرت شیخ عبدالحق دہلوی، شیخ نور الحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی روش پر گامزن ہیں؟

مصادر وماخذ

۱۔ سید سلیمان ندوی، حیات شبلی س ۴۶ اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء
۲۔ ثناء اللہ امرتسری، شمع توحید ص ۴۰ مطبوعہ سرگودھا
۳۔ شیخ محمد اکرم موج کوثر ص ۰۷ طبع ہفتم
۴۔ عبدالحئی رائے بریلوی، الاعلام (نزہۃ الخواطر) جلد ۶ ص ۴۱۸
۵۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۲۵ مطبوعہ ۱۹۱۷ء
۶۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین ص ۶۱
۷۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۳۶
۸۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۵۲
۹۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۳۸
۱۰۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۵۷
۱۱۔ جلال الدین احمد امجدی، بزرگوں کے عقیدے ص ۳۲۵ دہلی ۱۹۹۳ء
۱۲۔ شاہ ولی اللہ، انفاس العارفین ص ۱۴
۱۳۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۸۲ مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ
۱۴۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۱۰۷
۱۵۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، مکتوب المعارف ص ۱۵ مطبع مطلع الانوار، سہانپور
۱۶۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۱۴۴
۱۷۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، الدر الثمین ص ۵۷ سہانپور ۱۹۵۴ء
۱۸۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۲۶۳ دہلی ۱۹۸۹ء
۱۹۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، الدر الثمین ص ۶۱
۲۰۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۷۴
۲۱۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۸۰۔۸۱
۲۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین ص ۷ مطبع احمدی مدرسہ عزیزی دہلی
۲۳۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۳۶
۲۴۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۱۰۱
۲۵۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۳۸۸
۲۶۔ شاہ غلام علی دہلوی، مقامات مظہری ص ۳۴ مطبع احمدی ۱۲۶۹ھ
۲۷۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۲۳۹
۲۸۔ نواب صدیق حسن، اتحاف النبلاء ص ۴۳ مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ
۲۹۔ محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص ۱۴۱ دہلی ۱۹۹۲ء
۳۰۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۵۵۲
۳۱۔ محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص ۹۹
۳۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، تفہیمات الٰہیہ ج ۲ تفہیم ۳۴ ص ۴۹ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد
۳۳۔ القول الجلی کی بازیافت ص ۱۴
۳۴۔ مسلک دیوبند کیا ہے۔ ماہنامہ البلاغ کراچی ص ۴۹ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ

اعلیٰ حضرت کے ایک شعر کی صحیح ترجمانی

از: پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ دانا پوری، پٹنہ

سہ ماہی ''افکار رضا'' ممبئی بابت جنوری تا جون ۲۰۰۲ کے صفحہ ۶۵ پر مندرجہ بالا عنوان سے ایک تحریر جناب محمد نعیم برکاتی کی، نظر سے گذری۔ حافظ مفتی احمد میاں صاحب برکاتی سے منقول لکھا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس شعر.

یا الٰہی جب سر شمشیر پر چلنا پڑے
ربّ سَلِّم کہنے والے غم زدہ کا ساتھ ہو

کی صحیح قرأت حضرت احسن العلماء سید حسن میاں برکاتی قدس سرہ نے یوں درست کی۔

''اعلیٰ حضرت کے اس شعر میں.........زاء پر پیش ہے، زبر نہیں...... اس لیے کہ زبر کے ساتھ معنی ہیں، غموں کا مارا ہوا، ...... جب نبی خود غموں کے مارے ہونگے تو فریاد رسی کیسے فرمائینگے......؟ زبر کے ساتھ غم زدہ زَدَن سے بنے گا جب کہ پیش کے ساتھ غم زُدہ، زدون، (کذا) سے ہوگا، جس کے معنی ہیں، صاف کیا ہوا، قلعی کیا ہوا، (جو شانِ مصطفیٰ ﷺ کے عین مطابق ہے)...... پھر فرمایا میاں یہ وہ اسرار ہیں جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہیں۔''

اس حقیر کم سواد طلحہ رضوی برقؔ کے پیش نظر شعر مذکورہ بالا کی قرأت زاء بالفتحہ کے ساتھ ہی صحیح ہوگی۔ ہاں! املا ''غم زدہ'' ''نہیں غمزدا'' درست ہوگا۔

(ا) لفظی ساخت کے اعتبار سے ''غم زدہ'' بالضم غلط ہوگا ''زُدن'' کوئی مصدر صاف کرنے اور قلعی کرنے کے معنی میں وجود نہیں رکھتا۔

اس معنی میں فارسی کے دو۲ مصادر ہیں۔

(الف) زِدودن...... بالکسر زاء بمعنی پاک کردن، محو کردن، سائیدن

(ب) زِدائیدن...... بلکہ زاء بمعنی پاک ومحو کردن

(فرہنگ ہمراہ از دکتر منوچہر آریان پور کاشانی صفحہ ۴۴۹)

Zidudan: To polish, clean.

Ziduda: polished, Brightened.

Zidayidan: To scour Cleans.

(Persian English Dictionary F. Steingass Ph. D. London, page 612)

اور فارسی میں اسم مرکب کا قاعدہ کلیہ یہ ہے ''وآں مرکب میشود از اسم جامدی و اسم مفعولی مانند دلشکستہ، دست گرفتہ، مٹی آلودہ، شراب زدہ، جہاں دیدہ، سفر کردہ'' (دستور جامع زبان فارسی از عبدالرحیم

ھمایونفرخ چاپ ایران صفحہ ۱۰۵)

شیخ سعدی کی غزل کا شعر ہے:

بکسی نگر، کہ ظلمت بزدایذ از وجودت
نہ کسی نعوذ باللہ کہ درو صفا نباشد

لہٰذا حضرت احسن العلماء قدس سرہ کا جو صحیح و درست مفہوم ہے اس کے لیے لفظ ''غم زدودہ'' یا ''غم زدایدہ'' آنا چاہیے تھا مگر وزنِ شعر میں یہ دونوں لفظ کھپتے نہیں۔ دراصل یہ مغالطہ مصدر زدن سے بنا ہوا لفظ ''غم زدہ'' لکھنے سے ہوا ہے۔ درحقیقت اس شعر میں لفظ ''غم زدا'' ہے زاء بالفتح والفِ آخر کے ساتھ نہ کہ ''ہ'' سے۔ جدید لغت فارسی ''فرہنگ ھمراہ'' از دکتر منو چہر آریان پور کا شانی مطبوعہ طہران کے صفحہ ۴۴۸ پر ایک لفظ ''زدای'' ہے بمعنی زداینده = زایل کننده مثلاً غم زدای = Remover of Sorrow

دیکھیے ہمارے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی وسعت نگاہ۔ ان کی نظر معاصر اہل زبان ایرانیوں کی فارسی پر بھی تھی۔ اردو و فارسی کے عالمگیر شہرت یافتہ شاعر علامہ اقبال کی مشہور نظم ''ابر کہسار'' کا کیا خوبصورت بند ہے۔

مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے دُر افشاں ہونا
ناقۂ شاہد رحمت کا حُدی خواں ہونا
غم زدائے دلِ افسردۂ دہقاں ہونا
رونق بزم جوانان گلستاں ہونا
بن کے گیسو رخ ہستی پہ بکھر جاتا ہوں
شانۂ موجۂ صرصر سے سنور جاتا ہوں

اب رہی بات غم زدہ بمعنی ''غم کا مارا ہوا'' تو غمزدہ بالعموم افسردہ وملول و مغموم کے معنی میں آتا ہی ہے۔ اور یہ معنی نکالنا کہ ''جب نبی خود غم کے مارے ہوں تو فریاد رسی کیسے فرمائیں گے'' عجیب و گنجلک ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اپنی اُمت کا غم ہمیشہ رہا کیا اور ہے۔ اس ضمن میں اردو کے اکثر نعتیہ اشعار مشہور و زبان زد ہیں مثلاً:

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والے ۔ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والے

نبیوں کے سردار محمد ۔ امت کے غمخوار محمد

یہ سب لسانی نکتے اور زبان کی نزاکتیں ہیں۔ ہاں! بقول عرفی شیرازی:

ھُشدار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

ÕÕÕÕÕÕÕÕÕ

اعلیٰ حضرت کے ایک شعر کی صحیح ترجمانی
حضور مفتیٔ اعظم کی زبانی

شرح از: حضور مفتیٔ اعظم حضرت علامہ مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں نوری رضوی بریلوی علیہ الرحمۃ

مرتبہ: محمد نعیم برکاتی بن محمد سالار کپٹھال، قول پیٹ، ہبلی (کرناٹک)

نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہٖ الکریم۔ اما بعد

یادِ حضور کی قسم غفلت عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں!

اس شعر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی یاد کی قسم! کہ یہ یاد ہی تو عیش و آرام ہے۔ اس یاد کو بھلا دینا گویا کہ عیش و عشرت کو ہاتھوں سے گنوا دینا ہے، جو سراسر ظلم ہے۔ لیکن ہمیں تو چاہیے قیدِ غم اور وہ بظاہر ستم ہی سہی لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہی ہمارے لیے خوب سے خوب تر ہے۔ اور ایسی قید سے تو ہم نجات چاہتے ہی نہیں۔ جب ہم نجات چاہتے نہیں تو پھر ہمیں (اس سے) کوئی چھڑائے تو کیوں چھڑائے؟ ع

اس شعر کے پہلے مصرع پر بظاہر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اس میں غیر ذات و صفاتِ عزوجل کے ساتھ قسم کھائی گئی ہے جو شرعاً مکروہ ہے۔ چنانچہ اس کے تعلق سے حضرت علامہ مولوی غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ نے بشکلِ استفتاء؛ حضور مفتی اعظم کی خدمت میں ایک سوال بھیجا۔

مسئلہ از: میرٹھ۔ مرسلہ جناب مولوی غلام جیلانی صاحب مدرسِ مدرسہ (۱۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ)

اعلیٰحضرت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے اس شعر پر ۔ یادِ حضور کی قسم غفلتِ عیش ہے ستم الخ بظاہر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ اس میں غیر ذات و صفاتِ عزوجل کے ساتھ قسم کھائی گئی ہے جو شرعاً مکروہ ہے۔ ع

اس استفتاء کے جواب میں حضور مفتی اعظم نے دو سے زاید صفحات پر مشتمل وہ تحقیق و تدقیق کا دریا بہادیا' جسے پڑھ کر روح تازہ اور طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ نیز اس سے حضور مفتیٔ اعظم کی فقہی بصیرت و تجرِ علمی کا اندازہ بھی آپ لگا سکتے ہیں۔ چنانچہ حضور مفتیٔ اعظم فرماتے ہیں۔

یہاں جواب یہ خیال میں آتا ہے کہ سارے حلف بغیر اللہ مکروہ و حرام نہیں۔ اور حرام و مکروہ حرمت و کراہت من متساویۃ الاقدام نہیں۔ بعض تو اس قدر اشد حرام ہیں جیسے طواغی ۱؎ و انداد ۲؎ کفار کے ساتھ حلف کہ ایک صورت میں کفر یقینی ایک میں .... پھر وہ حلف جو طواغی و انداد .... کے ساتھ خاص ہو جیسے امانت کے ساتھ حلف کہ اہل کتاب کا حلف تھا پھر حلف بالآباء وغیرہ۔ لمعات میں زیرِ حدیث من ۶؎ حلف فقال فی حلفہ باللات و العزیٰ فلیقل لا الہ الا اللہ ۷؎۔ یحتمل ان یکون

معناه انه سبق لسانه فليتدارکه بکلمة التوحيد لانه صورة الکفر والا فان کان علیٰ قصد التعظيم فهو کفروارتداد يجب العود عنه بالدخول فی الاسلام۔ ۸

ترجمہ:- جس شخص نے اپنی قسم میں کہا کہ لات اور عزیٰ کی قسم! اُس کو چاہیے کہ وہ لا الہٰ الا اللہ کہے، اس بات کا احتمال ہو کہ غیرارادی طور پر اس طرح کی بولی یا قسم زبان پر آ گئی ہو تو کلمۂ توحید کے ساتھ اس کی تلافی کرے کہ یہ قسم صورت کے لحاظ سے کفر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہی مراد ہے۔ ورنہ اگر بتوں کی تعظیم کے ارادے سے قسم کھائی گئی ہے تو یہ صراحتہً کفر اور ارتداد ہے جس کی باعث اس کا دوبارہ اسلام میں داخل ہونا واجب ہے۔

مرقات میں ہے: من حلف بالاصنام فقد اشرکها بالله فی التعظيم فوجب تدارکها بکلمةالتوحيد ۹

ترجمہ:- جس نے قسم کھائی بتوں کی، تو بے شک اس نے تعظیم میں انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا، پس اس کے تدارک کے لیے اس پر کلمۂ توحید واجب ہوگیا۔

نیز مرقات ۱۰ میں زیرِ حدیث ۱۱ ان الله ينهاکم ان تحلفوا بابائکم من کان حالفا فليحلف بالله او ليصمت هے: يکره الحلف بغير اسماء الله تعالیٰ و صفاته سواء فی ذالک النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم والکعبة والملئکة والامانة والحياة والروح وغيرها ومن اشدها کرامة الحلف بالامانة ۔ ۱۲

ترجمہ:- حدیثِ شریف میں ہے کہ "بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے، جسے قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے" .... اس حدیث کے تحت مرقات میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کے صفات کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا مکروہ ہے۔ جیسے نبی کریم ﷺ کعبہ، ملائکہ، امانت، حیات اور روح وغیرہ اور ان میں سب سے زیادہ کراہت، امانت کی قسم کی ہے۔

کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے: من حلف بالامانة فليس منا۔ ۱۳

ترجمہ:- جس نے امانت کی قسم کھائی وہ ہم میں سے نہیں۔

اشعۃ اللمعات ۱۴ میں ہے: بايد که توبه کند و تدارک نمايد بکلمۂ توحيد اگر اين سوگند خوردن بلات و عزیٰ بطريق سبق لسان و عادت جاهليت ست پس تدارک بکلمۂ توحيد بجهت بودن اوست صورت کفر و مرے مستحسن ست و ظاهر تست که مراد همين ست والا اگر بقصد تعظيم بود کفروارتداد صريح ست و واجب ست عوداز ان بدر آمدن دراسلام۔ ۱۵

ترجمہ:- (مذکورہ بالا حدیث من حلف فقال فی حلفه بالات والعزی فليقل لا الہٰ الا اللہ کے تحت

اشعۃ اللمعات میں ہے کہ) اسے چاہیے کہ توبہ کرے اور کلمۂ توحید پڑھ کر تلافی کرے، اگر دورِ جاہلیت کی عادت کے مطابق اور غیر ارادی طور پر لات وعزیٰ کی قسم زبان پر آ گئی ہو تو کلمۂ توحید کے ساتھ تلافی اس لیے مستحسن ہے کہ یہ قسم صورت کے لحاظ سے کفر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہی مراد ہے۔ ورنہ اگر بتوں کی تعظیم کے ارادے سے قسم کھائی گئی ہے تو یہ صراحۃً کفر اور ارتداد ہے اور اس کا دوبارہ اسلام میں داخل ہونا واجب ہے۔

اسی کے تعلق سے حضرت علامہ ابنِ قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ ''المغنی'' میں ایک جگہ یوں لکھتے ہیں...

غیر اللہ کی قسم اگر حرام نہیں ہے تو اس کے مکروہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ کیونکہ غیر اللہ کی قسم گناہ ہے اور ''نیکیوں سے گناہ مٹ جاتے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الحسنات یذھبن السیئات ''بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔'' اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کوئی برائی کرو تو اس کے بعد نیکی کرو، وہ نیکی اُس برائی کو مٹا دیگی''۔ اور جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس نے اللہ تعالیٰ کی طرح غیر اللہ کی تعظیم کی۔ اس لیے اس کو شرک قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس نے غیر اللہ کی قسم کھا کر اُس کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے ساتھ شریک کر دیا۔ اس لیے حدیث میں ہے کہ ''اس کے بعد لا الٰہ الا اللہ کہے اور توحید کا اعتراف کرے اور شرک سے برأت کرے۔'' [16]

پھر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ آگے لکھتے ہیں........

[17] اسی میں زیرِ حدیث من حلف بالامانۃ فلیس منا ہے [18]: گفت آں حضرت کسے کہ سوگند خورد بامانت پس نیست آں کس از ما و بر طریقۂ ما بلکہ از متشبہین بغیر ماست زیرا کہ آن از عادت اہل کتاب ست و از جہت نابودن او از اسماء وصفات الٰہی تعالیٰ۔ [19]

ترجمہ:- آں حضرت ﷺ نے فرمایا وہ جس نے امانت کی قسم کھائی ہمارے طریقے پر نہیں ہے بلکہ ہمارے غیر کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والا ہے کیونکہ یہ اہلِ کتاب کی عادت ہے اور نیز اس لیے کہ امانت، اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات میں سے نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ حضرت علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں [20]

ومن حلفه بغیر اللہ لم یکن حالفاً کالنبی والکعبة لقوله علیه السلام من کان منکم حالفا فلیحلف باللہ. [21]

ترجمہ:- اور جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس کی قسم منعقد نہیں ہوگی مثلاً نبی یا کعبہ کی قسم کھائی، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:- ''تم میں سے جس شخص کو قسم کھانی ہو، وہ اللہ کی قسم کھائے''۔

ایک اور جگہ شمس الائمہ حضرت علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث: لا

تحلفوا بالطواغی ولا بابآ ئکم ۲۲ کونقل فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی، وہ قسم شرعی نہیں ہوگی۔ ۲۳

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

لا یؤاخذکم اللہ باللغوفی ایمانکم والکن یؤاخذکم بما عقد تم الایمان ۔۲۴

ترجمہ:۔ اللہ تمہیں نہیں پکڑتا تمہاری غلط فہمی کی قسموں پر۔ ہاں اُن قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم نے مضبوط کیا ۲۵

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

غلط فہمی کی قسم یعنی ''یمینِ لغویہ'' ہے کہ آدمی کسی واقعہ کو اپنے خیال میں صحیح جان کر قسم کھالے اور حقیقت میں وہ ایسا نہ ہو تو ایسی قسم پر کفارہ نہیں۔ ۲۶

نیز اس آیتِ مبارکہ کے تعلق سے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ لا یؤاخذکم اللہ باللغوفی ایمانکم انسان کے اس قول کے بارے میں نازل کی گئی: نہیں خدا کی قسم! اور ہاں خدا کی قسم! ۲۷

اس حدیث کی شرح میں شیخ محقق حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عربوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے محاوروں اور مکالموں میں عموماً یہ کہتے ہیں: ''نہیں خدا کی قسم! ہاں خدا کی قسم! اس سے ان کا ارادہ قسم کھانے کا نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس سے قسم منعقد نہیں ہوتی، اسے یمین لغو کہتے ہیں۔ لغت میں لغو کا معنیٰ ہے بے فائدہ بات کہنا' کتبِ فقہ میں یمین لغو کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ ایک شخص کسی بات کی قسم کھاتا ہے اور اس کا گمان یہ ہے کہ یہ بات حق ہے حالانکہ واقع میں وہ غلط ہے۔ ۲۸

پھر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ آگے لکھتے ہیں۔

بعض وہ کہ صورتاً حلف مگر یمین مراد نہیں مجرد تقریر و تاکید مقصود ہو جیسے کبھی صیغۂ ندا کلام میں بے قصد ندا محض برائے اختصاص زیادہ کیا جاتا ہے۔ یہ نا جائز و حرام نہیں۔ حدیث میں ہے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: افلح وابیہ ۲۹ مرقات ۳۰ میں زیرِ حدیث ان اللہ ینھاکم ان تحلفو ابا بائکم ہے۔ ۳۱: قال القاضی فان قیل ھذا الحدیث مخالف لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم افلح وابیہ فجوابہ ان ھذا کلمۃ تجری علی اللسان لا یقصد بھا الیمین بل ھومن جملۃ ما یزاد فی الکلام لمجرد التقریر والتاکید ولا یرادبہ القسم کما یراد لصیغۃ النداء مجرد الاختصاص دون القصد الیٰ اکنداء انتھیٰ۔ ۳۲

ترجمہ:- قاضی نے فرمایا کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس قول کے خلاف ہے جس میں آپ نے یہ فرمایا: افلح وابیہ ۳۳؂ (اس کے باپ کی قسم یہ کامیاب ہوگیا) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ۳۴؂ یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو اہلِ عرب کی زبان پر بلا قصد جاری ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے قسم کا قصد نہیں کرتے اور ممانعت تو غیر اللہ کی قسم قصداً کھانے سے ہے۔ اس لفظ کو کلام میں محض تاکید کے لیے ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے قسم کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔ جیسے کبھی صیغۂ ندا کلام میں بے قصد ندا محض برائے اختصاص زیادہ کیا جاتا ہے۔

نیز امام نووی شرح مسلم ۳۵؂ میں فرماتے ہیں: فان قیل الحدیث مخالف لقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم افلح وابیه ان صدق فجوابه ان هذه کلمة تجری علی اللسان تقصد بها الیمین۔ ۳۶؂

ترجمہ:- اس حدیث میں جو فرمایا گیا' یہ نبی کریم ﷺ کے اس قول کے مخالف ہے جس میں آپ نے یہ فرمایا: افلح وابیہ ان صدق (اس کے باپ کی قسم! اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہوگیا) تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو اہلِ عرب کی زبان پر بلا قصد جاری ہو جاتا ہے۔

پھر مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: والا ظهران هذا وقع قبل ورود النهی او بعده لبیان الجواز لیدل علیٰ ان النهی لیس للتحریمه تو ہر حلف بغیر اللہ پر حکم کراہت تحریم نہیں۔ یادِ حضور کی قسم میں بھی یا تو قسم مراد نہیں مجرد تقریر و تاکید مقصود ہے نہ قسم یا قسم مقصود ہو تو یا تو وہ غیرِ خدا کی قسم ہی نہیں یا غیر خدا کی قسم ہے مگر نا جائز نہیں۔ یادِ حضور' یادِ الٰہی ہی ہے حدیثِ قدسی میں ہے: ۳۷؂ جعلتک ذکر امن ذکری فمن ذکرک فقد ذکرنی۔ ۳۸؂

ترجمہ: (اس حدیثِ قدسی میں اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے کہ اے محبوب! ﷺ) "میں نے تمہارے ذکر کو اپنا ذکر کیا۔ پس جس نے تمہیں ذکر کیا اُس نے مجھے ذکر کیا"۔

شیر بیشۂ اہل سنت خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضرت علاّمہ مولانا حشمت علی خاں رضوی پیلی بھیتی علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالعباس ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اذا ذکرتُ ذکرتَ معی سے مراد یہ ہے: جعلت تمام الایمان بذکری معک و جعلتک ذکر امن ذکری فمن ذکرک ذکرنی۔

یعنی اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ میں نے ایمان کو اپنے ذکر سے مع تمہارے ذکر کے تمام کیا کہ جب تک کلمہ کے دونوں جز نہ کہے جائیں اور میری وحدانیت و اُلوہیت کے ساتھ تمہاری رسالت کا اقرار نہ کیا جائے' ایمان صحیح ار قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔ اور میں نے تمہارے ذکر کو اپنا ذکر کیا۔ پس جس نے تمہیں ذکر کیا' اُس نے مجھے ذکر کیا۔ ۳۹؂

تو ذکرِ الٰہی کی قسم' غیرِ خدا کی قسم ہی نہیں۔ اگر کوئی یوں کہے کہ "حضور بھی ذاتِ خدا سے جدا

نہیں''۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک، مگر حضور خدا بھی نہیں، نہ اس کی صفت۔ لہٰذا ذاتِ حضور کی قسم نہ چاہیے اور ذکرِ حضور، ذکرِ خدا ہی ہے، لہٰذا اس میں حرج نہیں۔

ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یادِ حضور کی قسم میں یاد سے مراد وہ یاد جو ان کی ان کا ربّ عزوجل فرمایا ہے۔ یا یادِ حضور سے مراد یہ کہ وہ یادِ الٰہی جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے قلبِ اقدس میں ہر آن جلوہ فرما ہے۔ وہ ذکرِ خداوندی، جس میں حضور مشغول ہر آن اور جس سے حضور جانِ نور علیہ الصلاۃ والسلام کا پُر نور رُواں رُواں ہے۔ یا یادِ حضور میں لفظ حضور مرادف شہود ہے ضد غیب منافی غفلت یعنی شہود وشاہد ومشاہد ومشہود حقیقی عزوجل کے ذکرِ یاد کی قسم کی غفلتِ عیش ستم ہے۔ یا یادِ حضور کا یہ مطلب کہ وہ یاد جو ولادتِ اقدس پھر جب سے لے کر وفاتِ اقدس تک بلکہ اس کے بعد بھی آج تک اور تا قیامِ قیامت دُنیا و برزخ وحشر میں تو اُمتِ مرحومہ کی فرمائی، فرما رہے ہیں، فرماتے رہیں گے۔ اس یاد کی قسم اس حیثیت سے کہ وہ وحیِ خدا ہے کہ فرمایا: [۴۰] و ما ینطق عن الھویٰ ان ھوا لا وحی یوحی [۴۱] یعنی اس خاص وحیِ الٰہی کی قسم جسے یادِ حضور سے تعبیر کیا ہے۔

اور وہ جو حدیث میں فرمایا: [۴۲] من حلف بغیر اللہ فقد اشرک [۴۳] اس سے مراد یہی ہے کہ جو مشرکوں کی طرح کہ جس اعتقاد سے وہ مشرکین بتوں کی قسمیں کھاتے تھے غیرِ خدا کی قسم کھائے۔ شرح حدیث نے اس کا مطلب یہ فرما دیا کہ غیرِ خدا کی قسم با عتقاد تعظیم آن غیر کھائے تو شرک ہوگا۔ اشعۃ اللمعات [۴۴] میں اس حدیث کا ترجمہ فرمایا کسے کہ سوگند خورد بغیر خدا با عتقاد تعظیم آن غیر پس بہ تحقیق شریک گردانید آں غیر را بخدا در تعظیم [۴۵] اگر یہ مطلب ہو تو معاذ اللہ کیا وہابی کی طرح کوئی احمق یہ ہے گا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے شرک قرار دیا اور خود غیرِ خدا کے ساتھ حلف، زبانِ مبارک سے ادا فرمایا۔ یہاں تو یا غیر ذات وصفات خدا کی قسم ہی نہیں یا یمین مراد نہیں، مجرد تقریر وتاکید مراد ہے۔ اور اس میں اصلاً محذور نہیں۔ حدیث میں مراد علی الاطلاق حکم شرک نہیں۔ اُوپر مرقات کی عبارت سے معلوم ہو چکا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے افلح وابیہ فرمایا۔ غیرِ خدا کے ساتھ حلف کی نہی سے پہلے فرمایا ہے یا بعد کہ صدورِ شرک حضور ﷺ اور ہر نبی سے محال ہے اور تھا۔ وہابی تو گنگوہی کی طرح اسے صاف شرک کہہ دے گا۔ جیسے گنگوہی نے تقدیس القدیر میں صاف کہہ دیا کہ صدورِ شرک آنجناب سے لا محالہ ممکن حطب اعمال بدرجہ اولیٰ ممکن بلکہ اسی کے صفحہ ۲۲ پر حضور ﷺ سے معاذ اللہ شرک کا وقوع ثابت کیا کہ شرک کے افراد مباح تک ہیں (تا) خود فخرِ عالم آپ ہی تو شرک ثابت کرتے ہیں اور خود اس کے ....

کہہ دے گا کہ خود حضور ﷺ نے حلف بغیر اللہ کو شرک کہا اور خود افلح وابیہ فرما کر (معاذ اللہ) شرک کیا......... ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم [۴۶]

حوالے و حواشی

۱ حدائق بخشش حصہ اوّل ص ۵۶ (مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

۲ الحقائق فی الحدائق شرح حدائق بخشش جلد۴ صفحہ ۳۴۶ (مطبوعہ: مکتبہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور)

۳ فتاویٰ مصطفویہ مکمل مجلد ص ۵۲۰ (مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

۴ جس کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **لا تحلفوا بالطواغی و لا بابآئکم** (صحیح مسلم کتاب الایمان باب النھی عن الحلف بغیر اللہ تعالیٰ)۔

ترجمہ:- "طواغی" یعنی بتوں کی قسم نہ کھاؤ اور نہ اپنے آباء کی۔

۵ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لا تحلفوا بابآئکم و لا بامھا تکم و لا با لانداد** (مشکوٰۃ باب الایمان والنذ ور الفصل الثانی)

ترجمہ:- اپنے باپ داداؤں اور اپنی ماؤں کی قسم نہ کھاؤ اور نہ ہی "انداد" یعنی اللہ تعالیٰ کے شریکوں کی۔

۶ صحیح بخاری کتاب الایمان والنذ ور باب لا یحلف باللات والعزیٰ ولا بالطواغیت۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب النھی عن الحلف بغیر اللہ تعالیٰ۔

۷ ترجمہ:- جس شخص نے اپنی قسم میں کہا کہ لات اور عزیٰ کی قسم! اُس کو چاہیے کہ وہ **لا الٰہ الا اللہ** کہے۔

۸ فتاویٰ مصطفویہ ص ۵۲۱ (مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)۔

۹ ایضاً۔

۱۰ مرقات جلد۳ ص ۵۵۴ (مطبوعہ ممبئی)۔

۱۱ صحیح بخاری کتاب الایمان والنذ ور باب لاتحلفوا بابائکم۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب النھی عن الحلف بغیر اللہ تعالیٰ)۔

۱۲ فتاویٰ مصطفویہ ص ۵۲۱ (مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)۔

۱۳ رواہ ابو دوٗد والنسائی فی المشکوٰۃ باب الایمان والنذ ور الفصل الثانی۔

۱۴ اشعۃ اللمعات باب الایمان والنذ ور الفصل الثانی جلد۳ ص ۲۱۱ (مطبوعہ سکھر، پاکستان)۔

۱۵ فتاویٰ مصطفویہ ص ۵۲۰۔ ۵۲۱ (مطبوعہ:- رضا اکیڈمی، ممبئی)۔

۱۶ المغنی جلد ۹ ص ۳۸۶ (مطبوعہ دارالفکر، بیروت) شرح صحیح مسلم جلد۴ ص ۵۶۵ (مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور)۔

۱۷ اشعۃ اللمعات جلد۳ ص ۲۱۴ باب الایمان والنذ ور الفصل الثانی (مطبوعہ سکھر، پاکستان)۔

۱۸ ترجمہ:- جس نے امانت کی قسم کھائی وہ ہم میں سے نہیں۔

۱۹ فتاویٰ مصطفویہ ص ۵۲۱ (مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

۲۰ جسے علاّمہ غلام رسول سعیدی نے شرح صحیح مسلم جلد۴ کتاب الایمان باب النھی عن الحلف

بغیراللہ تعالیٰ میں بھی نقل فرمایا ہے۔

۲۱ ہدایہ اولین صفحہ ۴۵۹ (مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)۔
۲۲ صحیح مسلم کتاب الایمان باب النھی عن الحلف بغیراللہ تعالیٰ۔
۲۳ المبسوط جلد ۷ ص ۱۴ (مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)۔
۲۴ پارہ ۷ سورۂ مائدہ آیت ۸۹۔
۲۵ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن۔
۲۶ تفسیر خزائن العرفان۔
۲۷ مشکوٰۃ شریف باب الایمان والنذور الفصل الاول۔
۲۸ اشعۃ اللمعات باب الایمان والنذور الفصل الاول۔
۲۹ صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان الصلوٰۃ التی۔
۳۰ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۳ ص ۵۵۴ مطبوعہ ممبئی۔
۳۱ ترجمہ:- اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔
۳۲ فتاویٰ مصطفویہ صفحہ ۵۲۱ (مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)
۳۳ یا اس حدیث کی وجہ سے یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غیراللہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے تو خود غیراللہ کی قسم کیوں کھائی ہے؟
۳۴ وابیہ۔
۳۵ شرح صحیح مسلم للنووی جلد دوم ص ۴۶۔
۳۶ فتاویٰ مصطفویہ ص ۵۲۱ (مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)
۳۷ اشعۃ اللمعات جلد سوم صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ سکھر، پاکستان۔
۳۸ فتاویٰ مصطفویہ ص ۵۲۱ (مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)
۳۹ نصرۃ الواعظین حصہ سوم صفحہ ۱۱۷۔ معارف اسم محمد ﷺ ص ۲۱۷۔
۴۰ پارہ ۲۷ سورۂ نجم آیت ۳۔۴۔
۴۱ ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔
۴۲ مشکوٰۃ شریف باب الایمان والنذور الفصل الثانی۔
۴۳ ترجمہ: جس نے غیراللہ کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا۔
۴۴ اشعۃ اللمعات باب الایمان والنذور الفصل الثانی۔
۴۵ یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے غیر کی، تعظیم کے ارادے سے قسم کھائی تو پس بہ تحقیق اُس نے تعظیم میں اس غیر کی اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا۔ یا انہیں مشرکوں کے اعتقاد کے مطابق شریک ٹھہرایا۔
۴۶ فتاویٰ مصطفویہ ص ۵۲۲۔۵۲۳۔

OOOOOOO

رضا و نوری کے چند عبرت آموز واقعات

از: مولوی عبدالسلام رضوی، جامعہ نوریہ، بریلی شریف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی بے مثال تواضع:

شعبان المعظم کی ایک مبارک شب ہے۔ مسجد بی بی جی، محلّہ بہاری پور، بریلی شریف میں ایک دینی اجلاس منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں شرکت کے لیے لوگوں کی عظیم بھیڑ اُمنڈ پڑی ہے۔ جسے دیکھیے بازوئے شوق سے مسجد بی بی جی کی طرف محو پرواز ہے۔

اور کیوں نہ ہو؟ اس اجلاس میں ملک و ملت کے بڑے بڑے جید اور متبحر علمائے کرام و مشائخ عظام کی زیارت کا شرف حاصل ہوگا۔ خصوصاً عارف باللہ، فنافی الرسول، دین و ملت کے مجدد اعظم، علم و فضل کے بحر بیکراں، مجاہد لسان و قلم، اہل اسلام کے سچے ہمدرد و بہی خواہ، دنیائے سنیت کے عظیم مقتدیٰ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی بھی اس اجلاس میں رونق افروز ہونگے اور اپنے مواعظ حسنہ سے حاضرین کو مستفیض فرمائیں گے۔

حضرت ملک العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''اعلیٰ حضرت کا معمول تھا کہ سال میں تین وعظ بہت زبردست فرمایا کرتے تھے۔ ایک سالانہ جلسۂ دستار بندی طلبائے فارغ التحصیل مدرسۂ اہل سنت و جماعت، مسجد بی بی جی محلہ بہاری پور میں (واضح رہے کہ اس وقت دارالعلوم منظر اسلام ''مدرسۂ اہل سنت و جماعت'' کے نام سے معروف تھا) چنانچہ اخبار دبدبۂ سکندری میں شائع شدہ ایک رپورٹ کی سرخی اس طرح ہے ''کیفیت جلسۂ سالانہ مدرسہ منظر اسلام معروف بہ مدرسۂ اہل سنت و جماعت بریلی''۔

(معارف رضا کراچی جشنِ صد سالہ منظر اسلام نمبر صفحہ ۲۲۸)

دوسری مجلس میلادِ سرور کائنات ﷺ میں۔ جو حضور کی طرف سے ہر سال ۱۲ ربیع الاول شریف کو دونوں وقت، صبح آٹھ بجے اور شب کو بعد نماز عشاء حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب کے مکان میں کہ وہی آبائی مکان اعلیٰ حضرت کا ہے، منعقد ہوتی تھی۔

تیسرا وعظ ۱۸ ذی الحجہ کو عرس سراپا قدس، حضرت خاتم الاکابر، حضرت وارث العلم والمجد والفضل کابراً عن کابر، حضرت سیدی و مرشدی، وشیخی جناب سید شاہ آل رسول صاحب مارہروی قدس سرہ کے موقع پر۔ جو اعلیٰ حضرت کے کاشانۂ اقدس پر انجام پاتا تھا۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۹۶)

دارالعلوم منظر اسلام کے سالانہ جلسہائے دستار بندی کی جو اطلاعات اور رپورٹیں ہفت روزہ اخبار ''دبدبۂ سکندری'' رام پور میں شائع ہوئیں، ان میں سے دستیاب رپورٹوں کو حضرت علامہ سید شاہد علی میاں صاحب قبلہ رضوی رامپوری نے اپنے ایک مضمون میں جمع فرمایا ہے۔ جس کا عنوان ہے ''عہدِ رضا میں منظر اسلام کے جلسے''۔ یہ مضمون معارف رضا کراچی کے ''صد سالہ جشن دارالعلوم منظر اسلام بریلی نمبر'' میں شائع ہوا ہے۔

ان رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ دارالعلوم منظر اسلام کی دستار بندی کے جلسے ماہ شعبان المعظم

میں بھی منعقد ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک رپورٹ میں تاریخ جلسہ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۲۶ھ ہے۔ ایک میں ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲ شعبان ۱۳۲۷ھ ہے۔ اس طرح ۱۳۳۷ھ اور ۱۳۴۰ھ میں بھی یہ جلسے شعبان ہی میں منعقد ہوئے تھے۔

زیر ذکر واقعہ میں اگرچہ راوی نے اس کی صراحت نہیں کی، لیکن امور مذکورہ بالا کی روشنی میں یہ طے کیا جاسکتا ہے کہ یہ جلسہ دارالعلوم منظر اسلام کی دستار بندی ہی کا ہوگا۔

اس اجلاس میں علمائے کرام نے عظیم الشان خطابات فرمائے۔ اور سرکار اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے بے مثال، پُر مغز و بصیرت افروز وعظ سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ آپ کا وعظ! سبحان اللہ علوم و معارف کے دریا بہادئے۔ علمی لطائف و نکات کے بے بہا اور نایاب جواہرات نثار فرمائے۔ محبت خدا و رسول کے جذبات کی حرارت کو تیز فرمایا۔ قلوب کو جلا اور ارواح کو تزکیہ بخشا۔ اور حاضرین نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق فائدہ حاصل کیا۔

اختتامِ اجلاس پر جب کہ سرکار اعلیٰ حضرت کے پاس چند مخصوص حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک صاحب نے دریافت کیا: حضور! قیامت کے دن علمائے کرام بھی شفاعت فرمائیں گے؟ آپ نے جواب دیا: ہاں، علمائے کرام بھی شفاعت فرمائیں گے۔ یہ جواب سن کر بریلی شریف ہی کے ایک باشندے جن کا نام عبدالصمد تھا اٹھے، اعلیٰ حضرت کے قریب ہوئے، اور دونوں ہاتھوں سے آپ کا پائے اقدس پکڑ لیا۔ اور پائے اقدس پکڑنے کے بعد عرض کیا: حضور وعدہ فرمائیں کہ آپ بروز قیامت میری شفاعت فرمائیں گے۔

اعلیٰ حضرت نے براہِ تواضع و انکسار ارشاد فرمایا: بھائی میرا پاؤں چھوڑ دو، میں اس عظمت و فضیلت کا حق دار کہاں ہوں۔ لیکن انہوں نے پاؤں نہ چھوڑا۔ آپ نے خفگی کا اظہار فرمایا۔ لیکن وہ باز نہ آئے۔ آپ نے پھر نرمی کے ساتھ فرمایا، مجھے شرمندہ نہ کرو، میرا پاؤں چھوڑ دو۔ اس پر انہوں نے مچلتے ہوئے عرض کیا: حضور! آپ مجھ پر ناراض ہوں، یا مجھے ماریں لیکن اب تو یہ پائے مبارک ان گنہ گار ہاتھوں سے اسی وقت چھوٹے گا جب آپ اپنی زبانِ اقدس سے یہ وعدہ فرمائیں گے کہ آپ قیامت کے دن میری شفاعت کریں گے۔ اس منظر سے حاضرین کے دلوں پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔

بعض جسارتیں، اگرچہ بظاہر نامناسب معلوم ہوتی ہیں لیکن صاحب جسارت کے لئے بڑی کارآمد بن جاتی ہیں۔ یہ جسارتیں وہ ہوتی ہیں جو جذبات عقیدت و محبت کی تحریک پر ہوتی ہیں۔ اور ان میں ادب و احترام کے تقاضے بھی پوری طرح ملحوظ رہتے ہیں۔ یہ جسارت بھی اسی قسم کی تھی۔

عبدالصمد صاحب کی یہ بات سن کر اعلیٰ حضرت آبدیدہ ہوگئے۔ اور لرزتی کانپتی آواز میں ارشاد فرمایا: اگر کل بروز قیامت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے علما کی جماعت میں شامل رکھا تو وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری شفاعت کرونگا۔ ابھی تک تو حاضرین کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں، اعلیٰ حضرت کا یہ تواضعانہ ارشاد سننے کے بعد برس پڑیں۔

اللہ اللہ، یہ بلند و بالا عظمت شان! کہ علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کا ایک عالم میں ڈنکا بج رہا ہے، بڑے بڑے علماء و مشائخ خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں، لوگ فیضان تلمذ و صحبت سے علم و عمل کی عظیم دولتیں پاکر بلند و بالا القاب کے مستحق ہو رہے ہیں۔ کوئی استاذ زمن ہے تو کوئی ملک العلماء، کوئی حجۃ الاسلام ہے تو کوئی مفتیٔ اعظم، کوئی محدث اعظم ہے تو کوئی صدر الشریعہ، کوئی سلطان الواعظین ہے تو کوئی شیر بیشۂ اہل سنت۔ اور تواضع و انکسار کا یہ عالم ہے کہ اپنی زبان سے خود کو عالم کہنے کے بھی روادار نہیں۔

حضرت مولانا شاہ محرم علی صاحب چشتی صدر ثانی انجمن نعمانیہ لاہور کے ایک مکتوب کے جواب میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں: ”حاشا، فقیر تو ایک ناقص، قاصر، ادنیٰ طالب العلم ہے۔ کبھی خواب میں بھی اپنے لئے کوئی مرتبۂ علم قائم نہ کیا۔ اور بحمدہ تعالیٰ بظاہر اسباب یہی ایک وجہ ہے کہ رحمتِ الٰہی میری دستگیری فرماتی ہے۔ میں اپنی بے بضاعتی جانتا ہوں، اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوں۔ مصطفیٰ ﷺ اپنے کرم سے میری مدد فرماتے ہیں اور مجھ پر علم حق کا افاضہ فرماتے ہیں۔ اور انہی کے رب کریم کے لئے حمد ہے۔ اور ان پر ابدی صلوٰۃ و سلام۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲/ص ۱۳۱)

سچ فرمایا حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ والرضوان نے:

تواضع کند ہوشمند گزیں ☆ نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

اس واقعہ میں ان حضرات کے لئے درس عبرت ہے جو خود اپنے لئے بڑے بڑے القاب و آداب کے خواہش مند رہتے ہیں۔

یہ واقعہ مجھ سے جناب ڈاکٹر افسر رضا خاں صاحب نوری، پرتاپوری مدرس جامعہ نوریہ رضویہ نے بیان کیا۔ انہوں نے بتایا کہ مجھ سے یہ واقعہ غالباً ۱۹۸۱ء یا ۱۹۸۲ء میں عبدالصمد صاحب کے صاحبزادے ٹیلر ماسٹر عبدالقیوم صاحب مرحوم ساکن محلہ بہاری پور، بریلی شریف نے بیان کیا تھا۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کو یہ واقعہ خود ان کے والد صاحب نے سنایا تھا یا کسی اور نے۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ موصوف نے جب یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا تھا تو وہ بوڑھے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ میں نے سرکار اعلیٰ حضرت کو دیکھا تھا لیکن بے شعوری کے ساتھ دیکھا تھا لہٰذا آپ کا حلیہ بیان نہیں کر سکتا۔

راقم السطور سے یہی واقعہ شہر بیکانیر صوبہ راجستھان میں حضرت علامہ مفتی اجمل شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلمیذِ رشید حضرت مولانا بدیل خاں صاحب حسن پوری خطیب مسجد حسینی بیکانیر نے بھی اپنے والد ماجد جناب محمد طفیل خاں صاحب مرحوم کے واسطہ سے بیان کیا تھا۔ مرحوم خود اس مجلس میں موجود تھے۔ وہ اکثر بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ لیکن مولانا موصوف نے صاحب واقعہ کا نام ذکر نہیں کیا تھا۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند کی حزم و احتیاط:

تاجدار اہل سنت حضور مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہ العزیز نمازِ ظہر ادا فرمانے کے بعد اپنے دولت خانہ کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔ راستہ میں ایک ضعیفہ نے آپ کو روک لیا اور اپنی برقعہ پوش بیٹی

کے بارے میں کچھ عرض کرنے لگی جو اس کے ہمراہ تھی۔
حضرت نے ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا کہ یہ کیا طریقہ ہے کہ تم راستے میں روک کر کھڑی ہوگئیں۔ اگر کچھ کہنا ہے تو میری قیام گاہ پر آکر کہو۔ بلکہ آپ نے پوری توجہ سے اس ضعیفہ کی بات سنی۔
حضرت انتہائی شفیق و مہربان تھے۔ آپ کے شب و روز کا بیشتر حصہ خدمتِ خلق ہی میں بسر ہوتا تھا۔ آپ کی ذاتِ اقدس اس ارشادِ نبوی کا عملی نمونہ تھی کہ "تم میں جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو فائدہ پہونچانے کی استطاعت رکھتا ہو وہ ضرور اسے فائدہ پہونچائے"۔
کسی کو تعویذ عطا فرما رہے ہیں، کسی کے لئے دعائے خیر کی جا رہی ہے، کسی کے بچہ کا نام تجویز ہو رہا ہے، کسی کو مسئلۂ شرعیہ سے آگاہی بخشی جا رہی ہے، کسی کو امر بالمعروف فرما رہے ہیں، اور کسی کو خلافِ شرع امر کے ارتکاب پر زجر و توبیخ فرما رہے ہیں۔ اور یہ سب خدمات خالصۃً لوجہ اللہ تھیں۔ آپ ان خدمات کے صلہ میں ایک کوڑی لینے کے بھی روادار نہ تھے۔
لوگ بیماریوں کے علاج، بلیات اور دیگر مقاصد کے واسطے تعویذات و ادعیہ کے طلب گار بن کر آتے، لیکن حضرت کی بارگاہ سے ان کے مذکورہ مقاصد کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ان کی شرعی خامیوں کا علاج بھی ہوتا۔
بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو خلافِ شرع چہرے کے ساتھ گئے تھے لیکن حضرت کی بارگاہ سے مطابقِ شرع داڑھی رکھنے کا عزم لے کر لوٹے۔ سونے کی انگوٹھی پہن کر گئے تھے، اس کو اتار کر اور آئندہ نہ پہننے کا عہد کر کے واپس ہوئے۔ ٹائی باندھنے کے گناہ کے ساتھ گئے تھے، لیکن آئے تو اس گناہ سے تائب ہو کر آئے۔ بُرا نام لے کر گئے تھے، اچھا نام لے کر واپس ہوئے۔
اور ان فیوض و برکات کا سلسلہ اپنے دولت خانہ پر ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے جس گوشہ میں آپ تشریف لے جاتے، حاجت مندوں کی بھیڑ لگ جاتی۔ اور وہاں بھی ان فیوض و برکات کا سلسلہ جاری رہتا۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ مدنی میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے حق فرمایا ہے:
"وہ کنواں نہ تھے کہ لوگ وہاں جا کر اپنے پیاس بجھاتے، بلکہ وہ بادل تھے ہر جگہ خود ہی جا کر برس آئے۔ اپنوں پر برسے، غیروں پر برسے، پہاڑوں پر برسے، وادیوں پر برسے، صحراؤں پر برسے، شہروں پر برسے، ایوانوں پر برسے، جھونپڑیوں پر برسے۔
یہی وجہ ہے کہ جب وہ نگاہوں سے روپوش ہوئے تو دنیا چیخ پڑی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق بیس لاکھ انسانوں کا جمِ غفیر ہر طرف اکٹھا ہو گیا۔" (ماہنامہ "استقامت" مفتی اعظم نمبر)
کبھی کسی کو کسی بات پر سخت سُست فرما دیتے تو اس کے بعد نوازشات بھی قابلِ دید ہوتیں۔ راقم نے خود دیکھا کہ ایک صاحب کو کسی بات پر آپ نے کچھ فرما دیا۔ اس کے بعد تعویذ لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ وہ صاحب چند لمحے ٹھہرے پھر باہر چلے گئے۔ حضرت نے فارغ ہو کر نگاہِ اقدس اٹھائی، اور پوچھا وہ صاحب کہاں ہیں؟ حاضرین نے عرض کیا پتہ نہیں کہاں چلے گئے۔ حضرت نے ان کو بلوایا اور

تعویذات عطا فرمائے۔ انہوں نے ایک طلب کیا تھا آپ نے کئی مرحمت فرمائے۔

اسی لئے جو لوگ آپ کے مزاج شناس نہ ہوتے وہ تو آپ کی خفگی سے ملول ہو جاتے۔ لیکن مزاج داں حضرات آپ کی برہمی سے وقتی طور پر سہم تو ضرور جاتے مگر تنگ دل نہ ہوتے۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ گرج اور کڑک اکثر و بیشتر عنایات و نوازشات کی موسلا دھار بارش لے کر آتی ہے۔

اس ضعیفہ نے اپنی بیٹی کے کچھ حالات بیان کرنے کے بعد عرض کیا: حضور! اس کے لئے دعائے خیر فرما دیں اور اس کے سر پر اپنا دستِ شفقت بھی رکھ دیں۔ حضرت نے دعا فرما دی۔ ضعیفہ نے پھر دستِ اقدس سر پہ رکھنے کی گذارش کی۔ آپ نے فرمایا: ہم نے دعا کر دی۔ اللہ تعالیٰ صحت و عافیت عطا فرمائے۔ بس اب جاؤ، لیکن ضعیفہ نے پھر اصرار کیا۔ چنانچہ حضرت نے ضعیفہ کی دلجوئی کے لئے اس کی بیٹی کے سر پر اپنا دستِ مبارک رکھا۔ لیکن کس طرح؟ اس طرح کہ دامنِ تقویٰ پر معمولی سا دھبہ بھی نہ آنے پائے۔ آپ نے اپنے ہاتھ پر اپنا لمبا چوڑا رومال اچھی طرح لپیٹا۔ پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ جب کہ وہ خود بھی برقعہ پوش تھی۔ مقصد یہ تھا کہ غیر محرم کے جسم کی معمولی سی گرمی بھی ہاتھ کو نہ محسوس ہونے پائے۔

یہ واقعہ آقائے نعمت، استاذ گرامی، حضرت علامہ مفتی محمد رفیق صاحب قبلہ مدظلہ العالی شیخ الحدیث دار العلوم غریب نواز ممبرا، ممبئی نے بیان فرمایا تھا۔ جو موقع پر موجود تھے اور اس زمانے میں مظہر اسلام میں مدرس تھے۔

دوسرا واقعہ:

دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی کا جلسۂ دستار فضیلت شعبان المعظم کی پندرہویں شب میں منعقد ہوتا ہے۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہ العزیز کی حیاتِ اقدس میں بھی اسی موقع پر ہوتا تھا۔ حضرت اس جلسہ میں ضرور رونق افروز رہتے۔ لیکن ۱۳۹۲ھ کے جلسۂ دستار فضیلت کے موقع پر جس میں راقم السطور کی بھی دستار بندی ہوئی تھی۔ حضرت کہیں باہر تھے اور وہاں سے تشریف نہ لا سکے۔ اور یہ جلسۂ دستار فضیلت حضرت کی عدم موجودگی ہی میں منعقد ہوا۔

اگر چہ جلسہ میں اہل سنت کے اکابرین جلوہ افروز تھے۔ مثلاً شیخ المشائخ حضور صاحب سجادہ قبلہ کچھوچھہ مقدسہ، سلطان المناظرین حضرت مفتی محمد حسین صاحب قبلہ سنبھلی، شمس العلما حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ جون پوری، مفتیٔ مالوہ حضرت مفتی رضوان الرحمٰن صاحب قبلہ وغیرہم علیہم الرحمۃ والرضوان، دار العلوم کے اساتذہ میں نمونۂ اسلاف، عالم باعمل حضرت علامہ شاہ حاجی مبین الدین صاحب قبلہ امروہوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، استاذ الاساتذہ، نبیرۂ استاذ زمن، حضرت علامہ شاہ محمد تحسین رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی، حضرت علامہ مفتی محمد اعظم صاحب قبلہ مدظلہ العالی اور حضرت علامہ مفتی محمد رفیق صاحب قبلہ مدظلہ العالی وغیرہم تشریف فرما تھے۔ مگر پھر بھی فارغین کو حضرت کی عدم موجودگی کا شدید احساس تھا۔

جب حضرت بریلی تشریف لے آئے، تو بعض فارغین ہمت بٹا کر اپنی اسناد کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسناد پر دستخط فرمانے کی گذارش کی۔

اس وقت دارالعلوم مظہر اسلام کی سند کی صورت یہ تھی کہ مضمون کے بعد ایک نقشہ بنا ہوا تھا۔ جس کے اوپر یہ سرخی تحریر تھی "فهرس ما اقتدأ الفاضل المذكور في هذه المدرسة" یعنی اُن کتابوں کی فہرست جو فاضل مذکور نے اس مدرسہ میں پڑھیں۔ اس نقشہ کے نیچے متصلاً یہ عنوان تھا "امضاءات العلماء الذين حضروا هذا المحضر"۔ یعنی مجلس دستار بندی میں تشریف فرما علمائے کرام کے دستخط۔ اس عنوان کے نیچے دستخطوں کے لئے خالی جگہ تھی۔ نہیں معلوم کہ موجودہ سند بعینہ اسی طرح ہے یا اس میں کچھ تبدیلی ہوگئی ہے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا: سند میں لکھا ہے ''ان علما کے دستخط جو مجلس میں موجود تھے۔ اب اگر میں دستخط کرتا ہوں تو یہ عملاً اس بات کا ادعا ہوگا کہ میں مجلس مذکور میں حاضر تھا۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔

حضرت کا یہ جواب سن کر یہ حضرات کچھ کہہ تو نہ سکے۔ لیکن حضرت کی بارگاہ سے ٹلے بھی نہیں۔ بلکہ اپنے افسردہ چہروں کے ساتھ وہیں کھڑے رہے۔ گویا زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں کہ حضرت کے دارالعلوم سے فراغت کے باوجود ہماری اسناد کا حضرت کے دستخط سے مزین نہ ہونا یہ ہمارے لئے بڑے رنج و غم کی بات ہے۔

حضرت نے ان فارغین کے جذبات کو محسوس فرمایا۔ اور ان کی دلجوئی کے لئے ان کی اسناد پر دستخط ثبت فرمائے۔ لیکن حتی الامکان اس بات کی کوشش فرمائی کہ آپ کا عمل خلافِ واقع نہ ٹھہرے۔

اس کے بعد دوسرے فضلا بھی اس مقصد کے لئے پہنچنا شروع ہوگئے۔ راقم السطور بھی حاضر ہوا۔ حضرت نے میری سند پر "امضاءات العلماء الذين حضروا هذا المحضر" کے عنوان کے مقابل داہنی جانب اس طرح دستخط فرمائے کہ دستخط عنوان کی بہ نسبت کچھ اوپر ہیں۔ زیادہ کی گنجائش ہی نہ تھی۔ یعنی حضرت نے ''دل بدست آور کہ حج اکبرست'' پر بھی عمل فرمایا اور حزم واحتیاط کا دامن بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

امام الکلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

ترے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

سرکار اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہما خود بھی انہی غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کی مقدس جماعت سے ہیں جن کے بارے میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔ ان مقدس ہستیوں کے نشانہائے قدم یقیناً ہمارے لئے مشعل راہ ہدایت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان نفوس قدسیہ کی مبارک زندگیوں سے سبق لینے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے ایک وہابیت شکن دیوبندیت فگن جیالے معاصر

ولادت ۱۲۷۲ھ وفات ۱۳۵۱ھ ۱۸/ جمادی الاولیٰ

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ایک معاصر سرکار محدّثی علیہ الرحمہ

از: **مولانا شمس الہدیٰ مصباحی**، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور اعظم گڑھ

علم و دانش، فکر و آگہی کے جلوے ہمہ دم تاریک قلوب کو منور کرتے ہی رہتے ہیں اور ظلمت کدہ کو رشکِ مہ و انجم بنانا اسی کا شیوہ ہے۔ جہالت بہت بڑی بلا ہے خاص کر جب مرکب ہو تب تو مرضِ لاعلاج ہے۔ جہل مرکب ہی کی وجہ سے وہابیوں۔ دیوبندیوں اور دیگر فرق باطلہ نے خدا جل و علا کی شانِ عظمت نشان میں صریح گستاخیاں، غلیظ ہرزہ سرائیاں کی ہیں "**تعالیٰ اللہ عن ذٰلک عصواً کبیـــرا**" نیز نبی آخرالزماں ختم پیغمبراں کی بارگاہِ والا جاہ میں کھلی بے ادبیاں گھناؤنی بکواسیں بھرمنہ کی ہیں، انہوں نے عظمتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء گھٹانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی لیکن ؎

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

تاریخ اسلام کے اوراق شاہد ہیں کہ مذہب مہذب کے خلاف جب بھی کسی سرکش نے سر اٹھایا تو اس کی بھرپور سرکوبی کے لیے رب قدیر نے اپنے کسی نہ کسی محبوب بندے کو ضرور مقرر فرمادیا ہے پھر اس کے اعوان و انصار بھی اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ میدان میں بے خوف و خطر اتر پڑتے ہیں۔

تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں اسلام کے صحیح خط و خال کو بگاڑنے کی خاطر مغربی طاقتوں نے برصغیر میں بالخصوص کیسے کیسے بھیڑیوں اور بگلا بھگت لوگوں کو اپنا ایجنٹ بنایا اور ان پر زرکثیر نچھاور کیا اور طرح طرح سے انہیں استعمال کیا۔ کہیں وہابیت، غیر مقلدیت، اہل حدیث کے نام سے کہیں دیوبندیت، ندویت، مودودیت کے عنوان سے کہیں قادیانیت، چکڑالویت، جماعت اسلامی کے لیبل سے کہیں تبلیغیت وغیرہ کے ٹائٹل سے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے شیرازہ کو منتشر کرنے کی ناکام کوششیں ہونے لگیں اور شہر شہر گاؤں گاؤں معمولات اہل سنت کے خلاف آگ سلگانے لگے اور یک قلم سب کو مشرک اور کافر گردانے لگے۔ اور شانِ الوہیت اور شانِ رسالت میں بھی یاوہ گوئی سے باز نہیں آئے۔ تو اللہ عزوجل نے مذہب صحیح، مسلک حق کے تحفظ کے لیے علامہ فضل حق خیرآبادی، امام احمد رضا قدس سرہ، تاج الفحول بدایونی، جیسے دسیوں نفوس قدسیہ کو خصوصی توفیق رفیق سے سرفراز فرمایا جنہوں نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کرکے دنیا کے سامنے رکھ دیا اور ہندو پاک کے مختلف نواحی میں اہل علم و فضل اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں سرگرم عمل ہوگئے۔

صوبۂ بہار میں ماحی شرور وہابیاں، قاطع فتن نجدیاں، قامع کیود دیوبندیاں ابوالولی حضرت علامہ حافظ محمد عبدالرحمٰن محدّثی رحمہ اللہ امام احمد رضا قدس سرہ کے ہم عصر مشائخ کبار میں نمایاں حیثیت و

خصوصیت کے حامل ہیں وہابیوں اور دیوبندیوں کے دام مکر وفریب سے عوام اہل سنت کو بچایا اور ان کی عیاریوں اور قلہ بازیوں کو سر بازار ہر گھڑی رسوا کرتے رہے۔ ہر موڑ پر ان بد مذہبوں کو اپنے منہ کی کھانی پڑتی تھی خاص طور پر مولوی مرتضیٰ حسن چاند پوری دربھنگی دیوبندی تو عمر بھر حضرت محی کی ضرب کاری کی شدید ٹیس محسوس کرتا رہا اور مرتے دم تک نیزۂ محی کی مار سے کراہتا رہا۔ چنانچہ دربھنگی نے اپنے ایک خاص چیلے عبدالحفیظ کے نام ایک چار ورقی کتاب بنام "بریلوی کا نادان دوست" شائع کیا اور نادان دوست سے مراد حضرت محی رحمہ اللہ ہی کو لیا۔

حضرت محی رحمہ اللہ علیہ امام اہل سنت بریلوی قدس سرہٗ سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے اور فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے مسلک حق کی ترویج و اشاعت میں ہمہ وقت مصروف عمل رہتے۔ گو کہ حضرت محی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہ مرید تھے نہ شاگرد۔ خود فرماتے ہیں۔

"میں مولانا احمد رضا خاں صاحب لازالت شموس افاضاتہٖ طالعۃ کا شاگرد نہیں مرید نہیں البتہ میں انہیں بحر زخار علوم دینیہ اور رسمیہ متعارفہ جانتا ہوں اور اس وقت ہندوستان میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کو جمیل بنایا ہے۔ ان الجمیل جمیل العلم والادب، سے میں ان کا ایک محبّ ہوں

احب الصالحین ولست منہم　　　لعل اللہ یرزقنی صلاحا

(الجواب المستحسن فی رد ہفوات المرتضیٰ حسن ص ۳)

یوں ہی امام احمد رضا قدس سرہٗ بھی حضرت محی سے بڑی محبت اور شفقت فرماتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں "محی" الف ندا کے ساتھ خطاب فرمایا اس لیے حضرت محی نے اس لفظ کو اپنا تخلص بنا کر اپنے نام کے ساتھ ضم فرمالیا۔ جانبین سے مستحکم قلبی روابط اور علمی و ملی ٹھوس لگاؤ کے ناطے وہ رنگِ رضا حضرت محی پر چھایا کہ بعض ارباب فکر و دانش مسکن محی "پوکھریرا" کو دوسرا بریلی کہنے لگے۔

حضرت محی رحمہ اللہ کے جماعتی قابل فخر کارنامہ کا اندازہ حضرت علامہ محدث احسان علی رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف کے اس تاثر سے بھی ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں

"حضرت محی و استاذی مولانا شاہ ولی الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ علیہما کا وجود نہ ہوتا تو سارے کے سارے دیوبند میں بند ہوتے۔"　　(رسالہ پیر طریقت)

حضرت محی رحمہ اللہ کی تعلیمی، تدریسی، تبلیغی، تنظیمی خدمات کے سوا قلمی و تصنیفی کارنامہ بھی کچھ کم نہیں بالضبط ان کی تعداد تو معلوم نہ ہو سکی تاہم بیس سے زائد کتب و رسائل کا سراغ ملتا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) نور الہدیٰ، امام الائمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی محققانہ سوانح عمری

(۲) نور المطالب (دو حصہ)، رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم اور ازواج مطہرات و خلفاء

راشدین کا نسب نامہ اور تفصیلی حالات
(۳) نور المغیب، آیات کریمہ سے خصوصی استدلال جو واجب الحفظ ہے
(۴) نور کلید عظیم، احادیث سے استدلال
(۵) تعلیمات مرغوب تحی (دو حصہ فارسی (۶) بارہ ماسہ تحی (۷) شمع شبستان (۸) چہک بلبل ناداں
(۹) تمسک اقوی (۱۰) دیو بندی بطلال تمیذ (۱۱) تعلیم التفسیر تحی (۱۲) قند طفلاں (۱۳) خطبہ عید الفطر
(۱۴) خطبہ عید الاضحیٰ (۱۵) الجواب المستحسن فی رد ہفوات المرتضیٰ حسن (۱۶) دستور السواک (۱۷) دیور بھاوج (منظوم) (۱۸) ترجمہ قرآن پاک بزبان فارسی۔
(۱۹) الحبل القوی لھدایۃ الغوی المعروف بہ اثبات تقلید شرعی (اس کتاب کو مولانا ریحان رضا مصباحی نے ترتیب جدید وتحشیہ کے ساتھ ۲۰۰۱ء میں دو بارہ شائع کروا دیا ہے) اثبات تقلید شرعی میں لا جواب کتاب ہے جس نے غیر مقلدوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ آیات قرانیہ، احادیث نبویہ سے تقلید شرعی شخصی کے ثبوت میں دلائل کے انبار لگا دیئے۔ غیر مقلدوں نے "الغریق یتشبث بالحشیش" کے تحت بوستان سعدی شیرازی سے ایک شعر تقلید کے ابطال پر نقل کیا۔ عبادت بتقلید گمراہیست خنک رہروے راکہ آگاہیست
اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی تفسیر سے "لا یعقلون شیئا ولا یھتدون" کے تحت اس عبارت کو پیش کیا "دریں آیت اشارہ است بابطال تقلید بدوطریق الخ" حضرت تحی نے جب اس کا جواب دیا تو دشمن حواس باختہ ہوگئے فرمایا کہ بوستاں کے شعر کا تعلق تو سومنات مندر کے پجاریوں سے ہے۔ اور شاہ صاحب (عبد العزیز محدث دہلوی) نے تو تقلید غیر شرعی پر کلام کیا ہے، تقلید کفر کو باطل قرار دیا ہے پھر شاہ صاحب (محدث دہلوی) خود تو زبر دست مقلد تھے وہ تقلید شرعی کو باطل کیوں کر گردانیں گے۔ انہوں نے تفسیر فتح العزیز میں تقلید ائمہ اربعہ کو واجب بتایا ہے تفصیل کے لیے کتاب دیکھیں۔ اس کتاب پر اکابر اہل سنت میں حضرت محدث سورتی، محدث کبیر شاہ رحیم بخش سابق شیخ الحدیث فیض الغرباء آرہ اور خاص کر امام اہل سنت فاضل بریلوی کی تقریظ اس کی اہمیت کے لیے بس ہے۔
اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمات طیبات یہ ہیں:
"بسم اللہ الرحمن الرحیم: الحمد للہ و کفی و سلام علی المصطفیٰ والہ الشرفاء وصحبہ اللطفاء والعلماء والعرفاء لا سیما الائمۃ المجتہدین کاشفی کل خفاء والتابعین لھم باحسان و صدق ووفاء فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس رسالہ "الحبل القوی لھدایۃ الغوی" کو مطالعہ کیا حق سبحانہ وتعالیٰ مولانا المکرم ذی المجد والکرم سالک الطریق الامم حامی السنن ماحی الفتن نجدی شکن وہابی فگن مولانا مولوی محمد عبد الرحمن صاحب معروف تحی جزاہ اللہ سبحانہ جزاء الاحباء کو تائید دین و تمکیت مفسدین واعانت راشدین واہانت معاندین کے ساتھ دائم وقائم رکھے اور ان اقطار وامصار کو ان کی حمایت سنت ونکایت بدعت سے مجمع مکارم۔ بلاشبہ غیر بالغ منصب اجتہاد پر تقلید ائمہ بنص قطعی قرآن

عظیم واحادیث واجماع فرض محتم ہے اور اس سے عدول شریعت مطہرہ کے دائرہ سے خروج اور ورطۂ تیرۂ ضلال و نکال میں ولوج ہے۔ اس قدر پر تو اجماع قطعی موجود بلکہ بتصریح علماء کرام وہ ضروریات دین میں معدود۔ رہی تعیین متبوع جسے تقلید شخصی کہیے حق یہ ہے کہ ان ازمنہ میں اس سے اصلاً مفر نہیں۔ تخیر تابع نظر اور نظر مفقود اور تخیر حسب تصریح ائمہ دین مثل امام اجل عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اکابر صراحۃً فتح باب فسق وتباب ہے اور سد فتنہ اہم واجبات سے ہے تو تقلید شخصی کے وجوب میں اصلاً محل کلام نہیں اور نفی بعض نظر بنفسِ ذات منافی ثبوت بوجوہ خارجہ نہیں۔ کمالا یخفیٰ علی اولی التحقیق وھوالتطبیق وبہ یحصل التوفیق و باللہ تعالیٰ التوفیق واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ (الحبل القوی ص ۱۵)

میں نے حضرت محی رحمہ اللہ کی کئی کتب ورسائل کا مطالعہ کیا جن کے بارے میں ''تصانیف محی سرمایۂ عقبیٰ'' کہنا بجا ہے۔ آپ حسب ذیل چند اقتباسات سے ان کے وسعت مطالعہ، علمی وفنی گہرائی گیرائی کا لوہا مانے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کلمات تعوذ کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

> ''جواہر التفسیر میں ہے کہ چودہ طرح پر اس کے الفاظ ماثور ہیں از انجملہ قدمائے شافعیہ کا مختار۔۔۔ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم۔ اور علماء مالکیہ کا۔ اعوذ باللہ العلیم من الشیطان الرجیم ہے۔ اور حنبلی اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم انہٗ ھوالسمیع العلیم پڑھتے ہیں اور ہم حنفیوں میں۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ہے۔'' (تعلیم التفسیر محی ص ۵)

اسماء باری تعالیٰ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ کے تین ہزار نام ہیں منجملہ اس کے ہزار نام فرشتے جانتے ہیں اور ہزار نام دوسرے پیغمبران جانتے ہیں اور تین سو توریت میں اور تین سو زبور میں اور تین سو انجیل میں اور ننانوے نام قرآن مجید میں اور ایک نام ہے جس کو اللہ آپ ہی جانتا ہے۔''
> (تعلیم التفسیر محی ص ۵)

حدیث نبوی کی روایت بالمعنیٰ سے متعلق ائمہ میں اختلاف ہے لیکن اپنے امام اعظم رحمہ اللہ سے متعلق فرماتے ہیں:

> ''ہمارے امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنے بڑے محتاط تھے کہ روایت بالمعنیٰ نہ کرتے، اہل حدیث اس کو جائز رکھتے ہیں قلت روایت امام صاحب بایں وجہ ہے تاہم ان کے مسانید کثیر اور اسانید شہیر ہیں پندرہ مسند امام صاحب حسب ذیل ہیں۔''

(نور الہدیٰ)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے چار ہزار شیوخ تھے امام بخاری کے مشائخ گو کہ دس ہزار سے زائد تھے مگر شیوخ امام کے مرتبہ پر نہ تھے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ تابعی تھے یا نہیں یہ ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے۔ حضرت محی نے دلائل کثیرہ سے ثابت فرمایا کہ آپ تابعی تھے اور پچاس مسند حدیثوں کا ذکر امام صاحب سے کیا ہے اور بائیس صحابہ

کرام سے امام صاحب کی ملاقات ثابت کی ہے۔ (نور الہدیٰ)

حضرت تحی فرماتے ہیں کوئی کام شروع کرو تو انجام تک پہونچانے میں ہمت نہ ہارو اسی کا نام "الاستقامۃ راس الکرامۃ ہے" "ایضا"

کتب حدیث کا مطالعہ اتنا گہرا تھا کہ صرف دعا کے متعلق ایک موقع پر ارقام فرماتے ہیں۔

"حدیث صحیح میں ہے۔ الدعاء مخ العبادۃ، اور اشرف العبادۃ الدعاء، اور الدعاء سلاح المؤمن وعماد الدین و نور السموات والارض۔ اور الدعاء جند من اجناد اللہ مجند أ۔ یرد القضاء بعد ان یبرم ھکذا فی کنز العمال ولا یرد القضا الا الدعاء۔ اور من لم یسئل اللہ یغضب علیہ۔ وبروایتہ۔ ان اللہ یغضب علی من لا یسئل۔" (چہک بلبل ناداں)

حضرت تحی نے حب نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عشق اولیاء وصلحاء میں ڈوب کر "بارہ ماسہ خادم رسول" نامی ایک نظم تحریر فرمائی ہے جو ہندی بارہ مہینہ کی مناسبت سے زبان ہندی میں ہے اور زبان اردو، وفارسی میں بھی عشق ومحبت سے لبریز آپ کے اشعار ملتے ہیں۔ سچ فرمایا گیا ہے۔ "العشق نار یحرق ماسوی المعشوق" آتش عشق معشوق کے سوا سب کو خاکستر کر دیتی ہے۔ نمونہ کے طور پر چند ابیات پیش ہیں۔

سعدی مورے پت کھو دیا دیدو کچھ تقریر ہے	غوث الاعظم آرے آؤ تم تو بڑے پیر ہے
اب دیکھو تحی کو واپر کیسی بھیڑ ہے	نور حلیم داتا سائین تم تو اس کے پیر ہے
ہنر مند کی قدر کرتی ہے دنیا	ہنر ہی سے ہے شان وشوکت ہماری
خدا نیک جس کو بنائے تحی	سنے گا وہی بس نصیحت ہماری
بخنداں ازلب آں غنچہ باغم	وزیں گل عطر پر در کن دماغم
اے تحی دیکھ پا پھسلے نہیں	کوئے جاناں کے سوا سب غار ہے
پکڑ دل سے مضبوط حب نبی کو	بلاشبہ ہے عروہ وثقا محمد ﷺ
جو تربت میں بیکس مجے ہے ساکن	اسے لوگ کہتے ہیں شیدا محمد ﷺ

حضرت تحی رحمہ اللہ کی تحریروں میں اخلاص اور ہمدردی گر ایک طرف ہے تو دوسری جانب غیظ و غضب اور نفرت و بیزاری بھی واضح طور پر موجود ہے یعنی "اشداء علی الکفار رحماء بینھم" کی جلوہ سامانیاں آپ کے زبان وبیاں سے عیاں رہتی ہے۔

وہابیوں کے عمل بالحدیث اور اجتہادی منصب پر فائز ہونے کی ڈینگ پر توجہ دی تو قلعی کھول کر رکھ دیا، فرماتے ہیں:

"خوب جان لو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ مجتہد وہ عالم ہے کہ جو پانچ طرح کے علم پر حاوی ہو، اول علم کتاب اللہ دوم علم حدیث رسول خدا ﷺ سوم علم علمائے سلف کے اقوال کا چہارم علم لغت عربی کا پنجم علم قیاس کا۔"

پھر ہر ایک کی توضیح وتشریح کے بعد فرماتے ہیں:

''لیکن یہ نعمت عظمیٰ رحمت باری تعالیٰ انہیں ائمہ اربعہ پر ختم ہوگئی اُس وقت سے آج تک کوئی اس مرتبے کو نہیں پہونچا اسی وجہ سے باب اجتہاد بند ہوا۔''

(چہک بلبل ناداں)

نیز رفع یدین، آمین بالجہر، قرأت خلف امام وغیرھا مسائل کے علاوہ بعد نماز دعا کرنے کو حرام کہنا، توسّل بالنبی کو کفر کہنا اپنے کو حنبلی یا حنفی کبھی کہنا، کبھی تقلید سے بالکل ہاتھ دھولینا اس جیسے کئی خرافات وہابیہ دیوبندیہ پر جب قلم اٹھایا تو باطل کے دانت کھٹے کردیئے۔ دعاء بعد نماز تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ ابو داؤد اور نسائی نے اس کی تخریج کی ہے جسے ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ یوں ہی توسّل بالنبی بھی احادیث مشہورہ سے مبرہن ہے مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

یھون اذا توسل بالنبی   توسل بالنبی فکل خطب

حضرت نحی رحمہ اللہ کے وسعت علمی کا اندازہ حسب ذیل عبارت سے لگائیں وہ خود رقم طراز ہیں:

''اگر میں توسل بالنبی کے جواز کی طرف بحول اللہ العظیم قلم اٹھاؤں تو انشاء اللہ الناصر المعین الموفق ایک ضخیم کتاب لکھ کر مثل آفتاب آپ کی تاریک بیں آنکھوں کے سامنے جلوہ گر کردوں۔'' (چہک بلبل ناداں)

ایک موقعہ پر بد مذہبوں کو للکارتے ہیں کہ تم اپنا رنگ روپ گرگٹ کی طرح کتنا ہی بدلا کرو مگر تمہارا دجل وفریب اہل حق پر مخفی نہ رہ سکے گا۔ ؎

تو خواہی جامہ وخواہی قباپوش   بہر انگے کہ آئی می شناسم

(چہک بلبل ناداں)

سچ تو یہ ہے ؎

مئے عشق نبی پینا ہے یو کھریرا چلے آؤ   در میخانہ وا ہے میکشوں کی عام دعوت ہے
یہ دربار نحی مئے کدہ ہے اہل سنت کا   شراب معرفت پی لے جسے پینے کی حاجت ہے

خدا تعالیٰ ہم سب کو حضرت نحی رحمہ اللہ کا درد دل، سوز جگر، اصلاح قوم کا جذبۂ صادق، عشق نبوی کی صحیح تڑپ نصیب فرمائے آمین۔ عزیزم مولانا محمد ریحان رضا سلمہ قابل صد تحسین ولائق صد مبارکباد ہیں جنھوں نے حضرت نحی رحمہ اللہ کے قلمی شہ پاروں کو منصۂ شہود پر لانے کا عزم محکم کرلیا ہے۔ خدا تعالیٰ انہیں مزید ہمت وحوصلہ اور عزم جواں بخشے اور ہمیں بھی ایسی سرگرمیوں کی تقلید کا جذبہ دے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم

امام احمد رضا۔ فنا فی الغوث

از: غلام مصطفیٰ قادری رضوی، باسنی، ناگور، راجستھان

امام احمد رضا جو دنیائے سنیت کا امام ہے...... اپنے وقت کا عظیم عالم ربانی...... چودھویں صدی ہجری کا مجدد...... عظیم مفسر...... بے مثال محدث...... فقیہ اعظم...... مدبر و مفکر اعظم...... الغرض لطف و کرم خداوندی اور نوازشات و عنایات مصطفوی جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے بے شمار اوصاف و کمالات ودیعت فرمائے گئے...... لیس علی اللہ بمستنکر۔ ان یجمع العالم فی واحد لیکن ان تمام اوصاف و فضائل میں سب سے امتیازی وصف...... ان کا وصفِ عشق رسول ﷺ ہے۔

محبت و عشقِ رسول علیہ التحیۃ والثناء میں ان کی فریفتگی اور شیفتگی کا اندازہ لگانے کے لی ان کی حیات اور تصانیف کا مطالعہ کرنا پڑے گا...... یہ وصف انہیں ہر محاذ پر بلند کرتا رہا...... محبت رسول ﷺ کے بارے میں اُسے خدائی ارشادات معلوم تھے...... احادیثِ نبوی ﷺ ازبر تھیں...... وہ خود عشق و محبتِ رسول ﷺ میں تڑپتا رہا اور اس کی تعلیم مسلمانوں کو دیتا رہا...... محبت رسول ہی اس کے نزدیک جان ایمان تھی...... خود فرماتے ہیں......

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

اب آیئے اور دیکھیے کہ ایک محبّ اور عاشق...... اپنے محبوب سے کس درجہ کی محبت رکھتا ہے...... اس کے نزدیک معیار محبت کیا ہے...... محبت کے لوازمات کیا ہیں...... محبت کی علامات کیا ہیں۔...... عشاق کا کہنا ہے کہ محبوب سے محبت کے ساتھ ساتھ اس سے متعلق ہر شے سے محبت کی جائے...... محبّ اپنے محبوب کے دیار سے بھی محبت کرتا ہے...... اس کے کوچہ و بازار سے بھی محبت کرتا ہے...... یہاں تک کہ اس سے منسوب ہر چیز سے عقیدت رکھتا ہے...... اس کی آل اولاد سے بھی محبت کرتا ہے......

اس عاشق صادق امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کا بھی یہی طریقہ و وطیرہ تھا کہ اس نے...... صرف محبت کا دعویٰ نہیں کیا...... بلکہ محبت کے تقاضوں کو بھی پورا کیا جس طرح اس نے حضور اقدس ﷺ سے محبت کی...... ٹھیک اسی طرح ان کی آل و اصحاب...... ان کے دیار...... ان کے کوچہ و بازار...... ان کے متعلقات سے بھی محبت و عقیدت رکھی...... صرف دیار محبوب سے اسے کتنا عشق تھا...... مندرجہ ذیل اشعار میں ان کے عشق کی انگڑائیاں ملاحظہ کیجیے......

ہاں ہاں۔ رہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

صرف دیارِ محبت سے رضا کی محبت وعقیدت کا ذکر کیا جائے تو پوری کتاب تیار ہو جائے...... لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی آل واصحاب سے اس عاشق صادق کو کتنا لگاؤ اور پیار تھا...... اس کے چند نمونے پیش کر کے میں اپنے اصل عنوان...... امام احمد رضا کی حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ...... کے تعلق سے کچھ باتیں ہدیۂ قارئین کرنے کی کوشش کروں گا......

امام احمد رضا کے عشق کی کہانی...... عشق کی دنیا بہت حسین اور بڑی نرالی ہے...... عاشق صادق تو وہی ہوتے ہیں جو محبوب اور محبوب کے خاندان سے بھی قلبی محبت کا اظہار کرتے رہتے ہیں...... ہمارے رضا کا شمار انہیں عشاق میں ہوتا ہے...... سرکار مدینہ سرور قلب وسینہ ﷺ کی آل واصحاب سے آپ کی والہانہ عقیدت ومحبت کا اظہار آپ کے نعتیہ اشعار سے بخوبی ہوتا ہے...... فرماتے ہیں......

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

ان دو کا صدقہ جن کو کہا میرے پھول ہیں
کیجیے رضا کو حشر میں خنداں مثال گل

ہم تمہارے ہوکے کس کے پاس جائیں
صدقہ کا شہزادوں کا رحمت کیجیے

اپنے مشہور زمانہ سلام میں اہل بیت رسول ﷺ سے عقیدت ومحبت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

پارہ ہائے صحف غنچہ ہائے قدس
اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام

شہزادیٔ رسول سیدۃ النساء العالمین...... حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں......

اس بتول جگر پارۂ مصطفیٰ حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

اور دو جہاں آلِ رسول کی خدمت کو ذریعۂ نجات وسعادت سمجھتے ہوئے یوں دعا کرتے ہیں......

دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ کر
حضرت آلِ رسول مقتدا کے واسطے

اہل بیت رسول سے محبت وعشق بھی رسول اکرم ﷺ سے ہی عشق ومحبت ہے...... ہر دور میں عاشقوں نے آلِ رسول سے محبت کی...... لیکن ماضی کی چند دہائیوں میں محب سادات امام احمد رضا بریلوی جیسا عاشق رسول ومحبّ آل رسول نظر نہیں آتا...... خود فرماتے ہیں......

"یہ فقیر بحمدہٖ تعالیٰ حضرات سادات کرام کا ادنیٰ خادم وخاکپا ہے...... ان کی محبت وعظمت ذریعۂ

نجات و شفاعت جانتا ہے۔" (فتاویٰ رضویہ شریف)

مزید فرماتے ہیں...... "محبت و تعظیم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبت و تعظیم اہل بیت و صحابہ و اولیاء و علماء رضی اللہ عنہم بھی اس میں شامل ہے...... یہ ضرور رکن ایمان ہے۔" (فتاویٰ رضویہ)

اب آیئے امام احمد رضا کے قلب و جگر میں حضور غوث الثقلین...... سیدنا شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی رضی المولیٰ عنہ کی محبت و الفت کیسی بسی ہوئی تھی...... وہ ملاحظہ فرمائیں......

امام احمد رضا کے دل و جگر میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی الفت و عقیدت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی...... اُن کے عشق و محبت کے والہانہ جذبات بے مثال و نظیر تھے...... تادمِ زیست آپ نے کبھی بھی بغداد شریف...... مدینہ شریف...... اور قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا گوارہ نہ کیا...... آپ کی مجلس میں سرکار غوثیت مآب کا تذکرۂ جمیل بڑے ادب و احترام اچھوتے انداز میں ہوتا تھا...... محبتِ غوثِ اعظم کے سوتے پھوٹتے رہتے تھے...... یہی وجہ ہے کہ سرکار غوث پاک رضی المولیٰ عنہ نے بھی امام احمد رضا کو اپنا نائب فرمایا ہے...... اس سلسلے میں مشائخ کرام سے کافی واقعات شاہد ہیں......

چنانچہ مفتی غلام سرور قادری صاحب...... تحریر فرماتے ہیں کہ......

"حضور مولانا پیر سید جماعت علی صاحب محدث علی پوری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں حضور پُر نور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا...... آپ کو سرکار نے فرمایا کہ...... ہندوستان میں میرے نائب مولانا احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ہیں"...... (الشاہ احمد رضا ص ۱۳۶)

امام احمد رضا کو سرکار غوث پاک رضی المولیٰ عنہ سے جو عقیدت و لگاؤ تھا...... وہ اپنے اور بعد کے زمانے کے عشاقِ غوث اعظم میں بے نظیر و بے مثال تھا...... پوری زندگی آپ غوث پاک کی غلامی پر فخر کرتے رہے...... اور ان کی غلامی کا پٹہ تادمِ زیست گلے میں ڈالے رکھا...... یہی وجہ تھی کہ سرکار بغداد کی خصوصی عنایات اور روحانی فیضان...... آپ پر...... رم جھم، رم جھم برستا رہتا...... دربارِ غوثیت سے آپ کو ایسے ایسے انعامات و برکات دیئے گئے...... کہ بس دیکھتے جایئے...... خود رضا فرماتے ہیں۔

کہا تو نے کہ جو مانگو ملے گا   رضا تجھ سے تیرا سائل ہے یا غوث

اور امدادِ غوثیت کس طرح آپ کے شامل حال رہتی...... ملاحظہ فرمائیں......

رضا کے کام اور رُک جائیں حاشا   ترا سائل ہے تو باذِل ہے یا غوث

ہاں ہاں!...... اگر کوئی غوث کا کتا بن جائے اور ان کی غلامی کا پٹہ گلے میں ڈال لے...... اس کی عظمت و شان کتنی بلند ہوگی...... امام احمد رضا فرماتے ہیں......

رضا کے سامنے کی تاب کس میں   فلک وار اس پہ تیرا ظل ہے یا غوث

اور رضا بارگاہِ غوث کے سگ سے اپنی نسبت کس عاشقانہ لب و لہجہ میں بیان کر رہے ہیں...... وہ دیکھیے......

تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت   میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

اور ہمیشہ ان کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالنے کی تمنا کرتے ہوئے عرض گذار ہیں......

اس نشانی کے جو ہیں سگ نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

امام احمد رضا کے نگار خانۂ دل میں عشق و محبت غوثیت مآب کی روشن قندیلیں کس طرح روشن و منور تھیں...... اس کا اندازہ لگانے کے لیے مندرجہ ذیل اقتباس کو بغور پڑھیں...... اور رضا بریلوی کو داد و تحسین دیں......

حضرت علامہ محمد احمد مصباحی...... تحریر فرماتے ہیں......

''نسبت قادری اور غیرتِ نسبت کا اثر بھی امام احمد رضا پر ویسا ہی تھا...... جو اکابر اولیاء کو اپنے شیوخ کی بارگاہوں میں ہوتا ہے...... ایک بار عرض کیا گیا...... حضرت سیدی احمد زروق رضی اللہ عنہ (جو بزرگوں میں ہیں) نے فرمایا ''جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچے...... یا زروق...... کہہ کرندا کرے...... میں فوراً اُس کی مدد کروں گا...... اعلیٰ حضرت نے فرمایا...... مگر میں نے کبھی اس قسم کی مدد طلب نہ کی...... جب کبھی میں نے استعانت کی یا غوث ہی کہا...... یک در گیر محکم گیر'' (امام احمد رضا اور تصوف ص ۹۱)

ایک بار امام احمد رضا سے عرض کیا گیا...... ''حضور! خطبہ میں سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر کیسا ہے'' ...... اس کے جواب میں فرمایا...... ''جائز و مستحسن ہے اور میرے تو اکثر خطبوں میں حضور کا ذکر ہوتا ہے'' ......

مرغ سب بولتے ہیں بول کے چپ رہتے ہیں
ہاں اصیل ایک نوا سنج رہے گا تیرا

امام احمد رضا نے دربارِ رسالت سے منسوب...... اور ذات رسول سے متعلق و منسوب اشیاء کی قدر و منزلت جس انداز سے کی...... وہ بے مثیل ہے...... اسی طرح پیر پیراں، میر میراں...... سرکار بغداد رضی المولیٰ عنہ کی ذات سے منسوب چیزوں کی بھی...... ایسی عزت و احترام اور قدر کی...... کہ عقلیں حیران ہو جائیں...... آیئے اس کی ایک عمدہ اور نفیس مثال ملاحظہ کریں...... خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضور محدث اعظم سید محمد میاں کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان...... جنہیں امام احمد رضا کے شب و روز دیکھنے کو ملے...... انہوں نے اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کیا ہے...... جسے سن کر اور پڑھ کر...... ہر ایک قاری اور سامع کے دل میں محبت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی چاشنی پیدا ہو جائے گی...... ناگپور کے اجلاس میں خطبۂ صدارت کے درمیان...... آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا...... فرماتے ہیں......

''دوسرے دن کار افتاء پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی...... اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر...... فاتحہ غوثیہ پڑھ کر...... دستِ کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی...... اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا...... کہ اچانک اعلیٰ حضرت پلنگ سے اٹھ پڑے...... سب حاضرین بھی اُن کے ساتھ کھڑے ہو گئے...... کہ شاید کسی شدید حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے......

لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ...... اعلیٰ حضرت زمین پر اُکڑوں بیٹھ گئے...... کچھ میں نہ آیا کہ کیا ہو رہا ہے...... دیکھا تو دیکھا کہ...... تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرہ زمین پر گر گیا تھا...... اور اعلیٰ حضرت اس ذرہ کو نوکِ زمین سے اٹھا رہے ہیں...... اور پھر اپنی نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہوئے......

اس واقعہ کو دیکھ کر...... سارے حاضرین سرکار غوثیت کی عظمت و محبت میں ڈوب گئے...... اور فاتحہ غوثیہ کی شیرینی کے ایک ایک ذرّے کے تبرک ہو جانے میں...... کسی دوسری دلیل کی حاجت نہ رہ گئی۔...... (خطبۂ صدارت، ناگپور)

کیا ایسی محبت...... ایسی قدر...... اور ایسی عظمت و احترام غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کی مثال مل سکتی ہے...... یہ سعادت اور خوش بختی اس کو مل سکتی ہے جو سرکار بغداد کی عظمت شان...... اور بلندیٔ درجات کا معترف ہو...... محبّ غوث اعظم، امام احمد رضا کی شاعری میں بھی سیکڑوں اشعار اس بات کا پتہ دیتے ہیں...... کہ دربارِ غوثیت کا یہ گدا محبتِ غوثیت کے سمندر میں مستغرق رہتا...... آپ نے کئی ایک منقبتیں شاہِ جیلاں پیر پیراں کی مقدس شان میں کہی ہیں...... جن میں سرکار غوثیت مآب کی بلند رتبہ شان...... فضیلت مطلقہ...... آپ کی فکری بصیرت و بصارت...... زہد و اتقاء...... خوش اخلاقی...... فکر و تدبر...... اور بے شمار جامع فضائل و کمالات...... اس انداز میں ذکر کیے ہیں...... جیسے امام احمد رضا کے مدحیہ اشعار کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ سیرت و سوانح غوث اعظم کا بھی مطالعہ ہو رہا ہے...... قلوب و اذہان میں الفت غوثِ اعظم کی چاشنی پیدا کرنے کے لیے عشق و عرفان کے پیکر جمیل آتشِ عشق رسول میں قلب کو گرمانے والے عاشق...... امام احمد رضا کے عشق غوثیت میں سرشاری کا پتہ دینے والے...... چند اشعار پڑھیں اور ان کے عشق و عرفان کی...... انہیں داد دیں......

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

اے رضا یوں نہ بلک تو نہیں جید تو نہ ہو
سید جید ہر دہر ہے مولیٰ تیرا

جسے عرش دوم کہتے ہیں افلاک — وہ تیری کرسی منزل ہے یا غوث
جو تیرا نام لے ذاکر ہے پیارے — تصور جو کرے شاغل ہے یا غوث
تیری عزت تیری رفعت تیرا فضل — بفضلہٖ افضل و فاضل ہے یا غوث

امام احمد رضا کا یہ عقیدہ تھا...... کہ انبیاء و مرسلین اور اولیائے کاملین اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہماری مدد فرماتے ہیں...... اور ہماری مرادوں کو پورا فرماتے ہیں...... سنیے کس انداز میں وہ سرکار بغداد کی بارگاہ میں فریاد کر رہے ہیں......

بدن کمزور دل کاہل ہے یا غوث تو قوت دے میں تنہا کام بسیار

امام احمد رضا نے بارگاہ غوث پاک میں اس قدر منقبتیہ اشعار کہے کہ عقلیں حیران...... رباعیہ اشعار میں تو ایسے ایسے محبت کے نمونے پیش کئے کہ پڑھ کر دل مچل جاتا ہے...... حدائق بخشش (دوم) کے آخری صفحات پر آپ نے سیکڑوں اشعار رباعیات کی صورت میں تحریر فرمائے...... مزید لطف یہ کہ محبت غوثیت مآب میں...... آپ نے پورے حروف تہجی کی ترتیب سے رباعیات لکھیں...... چند اشعار دیکھیں......

ردیف الخاء (خ): اے ظلِ الٰہ شیخ عبدالقادر اے بندہ پناہ شیخ عبدالقادر
محتاج و گدائیم تو ذوالتاج و کریم شیئاً للہ شیخ عبدالقادر

ردلفِ المیم (م): یارب بجمال نام عبدالقادر یارب بنوال عام عبدالقادر
منگر بقصور و نقص ما قادریاں بنگر بکمال نام عبدالقادر

ردیف الہاء (ہ): بے جان و بجانم شہ عبدالقادر کس جز تو ندانم شہ عبدالقادر
بد بودم بر بد کردم، و بر نیکی تو نیک ست گمانم شہ عبدالقادر

ردلفِ الیاء (ی): اے قادر، اے خدائے عبدالقادر قدرت دہِ دستہائے عبدالقادر
بر عاجزی ما نظر رحمت کن رحم اے قادر برائے عبدالقادر

حدائق بخشش کے ص ۱۰۸ سے ص ۱۲۲ تک امام عشق و محبت نے اکسیر اعظم کے تاریخی نام سے ایک قصیدہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ۱۳۰۲ھ میں تحریر فرمایا ہے...... قصیدۂ ھذا میں امام احمد رضا نے سرکار بغداد رضی اللہ عنہ کی فضیلت مطلقہ...... آپ کے کمالات، ترقیٔ درجات...... تصرفات و اختیارات...... اور بارگاہِ غوثیت سے اپنی قلبی وابستگی...... نیز آپ کے دربارِ پاک سے استمداد و استعانت پر خوب خامہ فرسائی کی ہے...... ہر ایک عنوان عربی زبان میں ہے...... ذرا ایک نظر اس قصیدہ پر ڈالیں......

پیر پیراں میر میراں اے شہ جیلاں توئی
اُنسِ جان قدر قدسیاں و غوثِ انس و جاں توئی
توئی سرور توئی سررا سر و ساماں توئی
جاں توئی جاناں توئی جاں راقرار جاں توئی

اس کے علاوہ ایک اور قصیدہ...... آپ کے گلبہار قلم سے...... رقم ہوا...... جو وظیفۂ قادریہ کے نام سے قصیدۂ غوثیہ...... سرکار غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کے قصیدہ کا فارسی

میں ترجمہ اور تشریح ہے...... یہ بھی آپ کی محبت و عقیدت کا پتہ دیتا ہے......

یہ چند مثالیں...... محبِ غوث اعظم امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہا کے والہانہ جذبات عشق کے تعلق سے رقم ہوئیں...... حیاتِ رضا کا مطالعہ کرنے کے بعد مزید شواہد اور امثال...... اس عاشق صادق کے عشق رسول اور محبتِ آل و اصحاب رسول ﷺ و رضی اللہ عنہم کا پتہ دیتی ہیں...... لیکن عاجزی اور انکساری کے جذبات سے سرشاری اور محبتِ غوث اعظم میں وارفتگی کا یہ انداز بھی تو دیکھیں......

مجھ کو رسوا بھی اگر کوئی کہے گا تو یونہی

کہ وہی نا وہ رضا بندۂ رسوا تیرا

اللہ تعالیٰ اپنے محبوبین سے ایسی ہی محبت و عقیدت کے جذبات سے ہمیں مالا مال فرمائے...... جو امام عشق و محبت سیدنا امام احمد رضا کے حصے میں آئے...... آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

0000000

حافظ ملت کی یاد میں کیرالہ کی سرزمین پر حلقۂ ذکر

وہی گلشن رضا ۱۴۲۳ھ   جو عنایات حافظ ملت ۲۰۰۲ء

"المرکز الاسلامی دعوہ کالج کوڈ پورا کالیکٹ کیرالا" کی وسیع ترین جامع مسجد میں مورخہ یکم جمادی الآخر ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۱/ اگست ۲۰۰۲ء بروز اتوار، دنیائے سُنیت کی عظیم شخصیت، جلالت العلم حضور حافظ ملت محدث مراد آبادی (قدس سرہ) بانی و مؤسس "الجامعۃ الاشرفیہ" مصباح العلوم عربی یونی ورسٹی مبارکپور" کی یاد میں مندرجہ ذیل طریقے پر حلقۂ ذکر منعقد کیا گیا۔ سب سے پہلے چند روز قبل ہی، کیرالا کا مقبول عام روز نامہ "سراج کالیکٹ" میں مجموعی اعلان شائع کیا گیا۔ پھر عین ۱۱ اگست کو لاؤڈ اسپیکر سے بھی باضابطہ اعلان کر دیا گیا، درجنوں مدارسِ اسلامیہ اور مختلف خطے کے کلیات و جامعات کے مدرسین و مبلغین ایک ماہ پہلے ہی مدعو کیے گئے۔

ٹھیک یکم جمادی الآخر کی شام بعد نماز مغرب ہی محفل کا آغاز ہوا۔ جس میں "دعوہ کالج" کے طلبہ کے علاوہ کیرالہ کے مختلف خطے سے ہزاروں کی تعداد میں عامۃ الناس اور درجنوں مدرسین و مبلغین بھی شریک جشن تھے۔ قابل ذکر مولانا اظہار احمد فیض جھارکھنڈ اور حافظ و قاری مولانا غالب حیدر صاحب سبر ساوی (شعبہ اردو مرکز الثقافۃ السنیہ) بھی رونق افروز تھے۔ راقم السطور (محبوب اختر مصباحی ماہر ویشالوی) نے برصغیر پر واقع وہی گلشن رضا ۱۴۲۳ھ: جو عنایات حافظ ملت ۲۰۰۲ء، مسلک اعلیٰ حضرت کی سب سے عظیم درسگاہ "باغ فردوس ۱۳۵۵ھ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور" کی علمی اور دینی خدمات کو پیش کرتے ہوئے، اس عظیم انسان یونیورسٹی کے مؤسس و بانی جلالت العلم حضور حافظ ملت محدث مراد آبادی (قدس سرہٗ) کی شخصیت کو عامۃ الناس کے سامنے اجاگر کیا۔ پھر ملیباری مترجم دعوہ کالج کے پرنسپل P.S.K معید باقوی نے جب اپنی مادری زبان (ملیالم) میں اس کا ترجمہ کیا، تو عوام الناس کی زبان سے اللہ اکبر اللہ اکبر...... کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

اخیر میں کیرالہ سنی تعلیمی بورڈ کے سب سے اہم مصنف اور دعوہ کالج کے مؤسس و سربراہ اعلیٰ شیخ عبدالرحمٰن باوا ملیباری کی صدارت میں حلقۂ ذکر "مصرۃ الرحمانیہ" کا سلسلہ جاری ہوا۔ تقریباً دس بجے رات تک اوراد و وظائف کا سلسلہ جاری رہا۔ باوا ملیباری اور ایم این عبدالرحمٰن مسلیار (طول اللہ عمرہا) کے دعائیہ کلمات کے ذریعہ حضور حافظ ملت اور دیگر بزرگان اہل سنت کی بارگاہ میں ایصال ثواب کیا گیا۔ اور لنگر عام تقسیم ہوا۔ 000

از: نوشاد عالم چشتی
ریسرچ اسکالر، سُنّی تھیولوجی، اے ایم یو علی گڑھ

''وہ رہیں یا نہ رہیں ذکر تو اُن کا ہوگا''!

مختلف اخبارات رسائل و جرائد کے توسط سے یہ سن کر انتہائی افسوس ہوا کہ پاکستان کے نامور عالمی شخصیات میں شمار کیے جانے والے حضرت علامہ سید مولانا محمود احمد رضوی، (شارح بخاری شریف) ۱۴/اکتوبر ۱۹۹۶ء۔ معروف مصنف محترم جناب فیاض احمد کاوش ۱۲/اکتوبر ۱۴۱۹ء (میر پور خاص سندھ) اور ۱۷/نومبر ۱۹۹۹ء بانیٔ مرکزی مجلس رضا حکیم اہل سنت حضرت حکیم موسیٰ امرتسری چشتی جیسے صاحبان علم وفن یکے بعد دیگرے انتقال فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یوں تو ہم لوگ ''خیر'' سے سن دو ہزار عیسوی (۲۰۰۰ء) میں داخل ہوگئے۔ مگر ۱۹۹۹ء جاتے جاتے بہت سارے علمائے اہل سنت کو بھی اپنے ساتھ لیتے چلا گیا۔ گذرنے والا سال اہل سنت و جماعت کے لیے کچھ زیادہ ہی نقصان دہ ثابت ہوا۔ یہ حضرات بلاشبہ اہل سنت کے لیے سرمایۂ افتخار تھے۔ ان افراد کا وجود ہی ہماری جماعت کے لیے غنیمت تھا۔ سید صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ نے حدیث شریف کی مشہور و معروف کتاب بخاری شریف کی اردو میں انتہائی معیاری شرح کئی ضخیم جلدوں میں لکھ کر جس طرح جماعت کے علمی وقار میں اضافہ کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ دلکش زبان اور خوبصورت پیرائے بیان میں علمی موضوعات پر لکھنے والے کئی درجن کتابوں کے مصنف کی خدمات کو کیسے بھلایا جاسکتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے دوران غالباً ۹۰-۱۹۸۹ء میں اللہ کے فضل و کرم سے میں ایک بار سید صاحب سے ان کے در دولت کدہ (حزب الاحناف) پر مل چکا ہوں۔ سید صاحب کی طبیعت تو ناساز تھی۔ بستر پہ تھے مگر کرم بالائے کرم فرماتے ہوئے انہوں نے اپنی زیارت کا شرف بخشا اور کافی دیر تک معلوماتی و علمی گفتگو سے نوازتے رہے۔ سید صاحب جس انداز میں اور جہاں پر بیٹھ کر ہم سے گفتگو کر رہے تھے وہ منظر آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہم نے رخصت ہوتے ہوئے ڈھیر ساری ان سے دعائیں لیں۔ سید صاحب کی تمام علمی کاوشوں کے پس منظر میں ان پر ایک خوبصورت اور معلوماتی ضخیم کتاب ضرور منظر عام پر آنا چاہیے تا کہ نئی نسل ان کے علمی کارناموں سے کماحقہٗ واقف ہوسکے۔

کراچی میں قیام کے دوران محترم پروفیسر فیاض کاوش صاحب علیہ الرحمۃ سے میرے انتہائی دیرینہ تعلقات رہے۔ کچھ تو مسعود ملت ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی ذات سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اور کچھ ان کی ذاتی خوبیوں کی بنا پر۔ اس تعلقات کو مزید برقرار رکھنے میں ان کے دو شاگردانِ خاص برادرم قدرت اللہ بیگ اور برادرم محمد اکرم قادری صاحبان نے بنیادی کردار ادا کیا۔ میں کاوش صاحب کی عنایتوں کے ساتھ ساتھ قدرت اللہ بیگ اور محمد اکرم صاحبان کے خلوص و ایثار کو بھی کبھی نہیں بھول سکتا۔

محترم پروفیسر کاوش صاحب نے "خنک دین ننگ وطن" لکھ کر تاریخ حوالے سے بہت ہی معرکۃ الآرا کارنامہ انجام دیا۔ اس کتاب سے عوام وخواص بھی استفادہ کرتے ہیں۔ اس کتاب کے نتیجہ خیز ثمرات اب تک مرتب ہو رہے ہیں۔ یہ کتاب اب "حوالہ جاتی کتاب Reference Book" کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔ کراچی میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے آفس میں اکثر و بیشتر ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ کئی مسائل پر تبادلۂ خیال ہوا کرتا تھا۔ محترم کاوش صاحب کو ایک منکسر المزاج اور سادگی پسند فطرت کا پایا۔ ایک کالج میں پروفیسر ہونے کے باوجود ان میں غرور و تکبر اور نخوت و کبر کا نام ونشاں تک نہ تھا۔ ہمارے ہندوستان سے ہی ہجرت کر کے مع اپنے اہل وعیال میر پور خاص سندھ میں جا بسے تھے اس لیے ہم ہندوستانیوں سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود صاحب کی شخصیت کے دلدادہ تھے اور ان کی ذات سے متاثر بھی۔ اللہ کے فضل سے کراچی میں بھی میرے کرم فرما حضرات کا ایک بڑا حلقہ تھا۔ جس میں مولانا سید شاہ تراب الحق قادری صاحب، پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب، سید وجاہت رسول قادری صاحب، ڈاکٹر پروفیسر مجید اللہ قادری صاحب، ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد صاحب، مولانا سید شاہ حسین گردیزی صاحب، ڈاکٹر خواجہ رضی حیدر صاحب، مولانا غلام رسول کشمیری صاحب، وغیرہ وغیرہ افاضل علم وفن اس میں شامل تھے۔ انہیں میں سے بعض حضرات کے یہاں پروفیسر فیاض کاوش صاحب سے ملاقات ہو جاتی تھی۔

کراچی کے ہم عمر احباب میں میرے قریبی دوست زاہد سراج قادری، اقبال احمد قادری، سید عقیل انجم، امتیاز فاروقی، مولانا رضوان قادری، ابوبکر قادری (نواب شاہ سندھ) وغیرہ سے میری گاڑھی چھنتی تھی۔ میں اور بھائی زاہد سراج قادری ہم دونوں لوگ برادرم قدرت اللہ صاحب، برادرم محمد اکرم قادری صاحب کی خواہش اور ایماء پر ایک بار میر پور خاص کے لیے روانہ ہوئے۔ جاتے وقت ہم دونوں نے بس کا سفر کیا۔ اتفاقاً ہم دونوں ہی میر پور خاص اور اس کے راستہ کے "نشیب و فراز" سے ناواقف تھے اس لیے ایک بہت بڑے حادثے سے دو چار ہوتے ہوتے بچے اور رات کے ۲ یا ۳ بجے خیر سے میر پور پہنچ گئے۔ رات ایک مسجد میں گذاری گئی اور پھر صبح کی نماز پڑھ کر احباب کے پاس پہنچے۔ حادثہ سے بالکل صاف بچ جانے کی وجہ سے ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد ہم سب پروفیسر کاوش صاحب کے مکان پر گئے۔ کاوش صاحب نے خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے والہانہ انداز میں استقبال کیا۔ چونکہ ظہرانہ کا پہلے سے ہی ذمہ قدرت اللہ صاحب نے لے لیا تھا اس لیے عشائیہ کا پروگرام کاوش صاحب کے گھر کے لیے مخصوص ہوگیا۔ حسن اتفاق کہیے کہ اس دن عالمی مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان کا یوم وصال تھا اور میر پور کے احباب اہل سنت نے اس دن ایک پروگرام کے انعقاد کا اعلان کر دیا تھا۔ قدرت اللہ بیگ اور محمد اکرم قادری صاحب کی وساطت سے وہاں کے کچھ افراد نے مجھ سے اس محفل میں خطاب کرنے کی فرمائش کی۔ میں ابھی پس و پیش ہی میں تھا کہ کاوش صاحب نے بھی مجھ سے خطاب کرنے کی خواہش کردی۔ بہر حال میں نے کاوش صاحب کا

احترام کرتے ہوئے حامی بھرلی۔ پروگرام ایک مسجد میں ہی تھا عشاء بعد لوگ کافی تعداد میں موجود تھے۔ تلاوتِ کلام پاک سے محفل کی کاروائی شروع ہوئی۔ ایک نعت کے بعد میرے خطاب کا اعلان ایک ہندوستانی کی حیثیت سے ہوا۔ کاوش صاحب نے خطاب سے پہلے میرا تعارف بہت باوقار انداز میں کرایا جسے میں سن کر دل ہی دل میں بڑا شرمندہ ہوتا جا رہا تھا۔ خیر اللہ کے فضل سے میری خطابت بہت کامیاب رہی۔ میں نے مبلغ اسلام کا تعارف مختلف جہتوں سے کرایا جس سے لوگ خوش ہوئے۔ محفل کے اختتام کے بعد لوگوں نے بے پناہ عزت و خلوص سے نوازا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں میری خطابت کا اثر کم اور کاوش صاحب کے تعارف کا اثر زیادہ تھا۔ مجھ جیسے کم علم کی کاوش صاحب نے جس انداز میں پذیرائی کی اس کو لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ ان کے اس طرزِ محبت نے میرے دل کو ان کا گرویدہ بنادیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

پاکستان جانے سے پہلے ہی میں حکیم اہل سنت حکیم موسیٰ امرتسری صاحب کے علمی کارناموں سے واقف ہوچکا تھا۔ ہندوستان میں ان کی شہرت ۱۹۸۰ء کے لگ بھگ تیزی سے ہونے لگی تھی۔ مرکزی مجلس رضا کی نشر و اشاعت کے ذریعہ ہندوستان کے کونے کونے میں لوگ انہیں جاننے لگے تھے۔ حکیم صاحب سے میری پہلی ملاقات غالباً ۱۹۸۸ء کے سفر میں ہوئی۔ لاہور میں زیادہ رکنے کے لیے میرے پاس وقت نہیں تھا۔ کیونکہ مجھے کراچی جلد از جلد پہنچنا تھا۔

کراچی میں شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کے نام سے منسوب ادارہ ''الجامعۃ العلمیہ العالیہ'' معروف اسلامک سینٹر (بی بلاک نارتھ ناظم آباد کراچی) میں میرا داخلہ ہوگیا تھا۔ اس ادارہ کو میرٹھی صاحب کے داماد حضرت مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری صاحب علیہ الرحمہ نے بالکل عصری خطوط پر قائم کیا تھا۔ الحمدللہ ہم نے یہاں سے بہت کچھ سیکھا۔ اور اسی ادارے سے میں نے حکیم صاحب سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر ۲ سال کے بعد میں نے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں کلیۃ اصول الدین میں داخلہ لے لیا۔ اسلام آباد سے لاہور کی مسافت کراچی کی سے بہت کم ہے لہٰذا یہاں سے میں ایک یا ڈیڑھ ماہ کے وقفے سے برابر حکیم صاحب کی خدمت میں حاضری دینے لگا۔ میں نے ان کو اپنے تئیں بہت قریب سے دیکھا اور سمجھا۔ حق بات تو یہ ہے کہ ہندوپاک میں حکیم اہل سنت حضرت حکیم موسیٰ امرتسری کا کوئی جواب ہی نہ تھا۔ پاکستان میں اہل سنت کو علمی و تصنیفی میدان میں متحرک اور فعال بنانے میں حکیم صاحب نے جو کردار ادا کیا اس کو رہتی دنیا تک بھلایا ہی نہیں جاسکتا۔ برصغیر میں رضویات پر سائنٹفک انداز میں ہونے والی تمام تحقیقات کا سہرا صرف اور صرف آپ ہی کے سر بندھتا ہے۔ اس حوالے سے حکیم صاحب کے لیے ایک دور ایسا بھی گذرا ہے جس میں وہ تن تنہا قافلہ بھی تھے اور قافلۂ سالار بھی۔ کل پاکستان سطح پر یوم رضا منانے کی بنیاد ڈالنے والوں میں حکیم صاحب کا نام سر فہرست ہے حکیم صاحب کے خلوص، لگن، محنت، دیانت اور علم پروری کے سبب الحمدللہ باشعور افراد کا ایک کارواں تیار ہوگیا۔ جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا جب میں اسلام آباد میں زیرِ تعلیم تھا تو اس دور میں حکیم

صاحب سے گاہے بگاہے آکر ملتا رہتا تھا اور کبھی کبھی خط و کتابت بھی ہو جاتی تھی۔ یہ ۱۹۹۰ء کی بات ہے حکیم صاحب اس زمانے میں بسبب ضعف خود خط نہیں لکھتے تھے بلکہ جواب دوسروں سے لکھوا کر اپنے خیالات سے آگاہ کرتے تھے۔ بہت سے علمی معاملات میں مَیں نے ان سے مشورہ لیا۔ حکیم صاحب نے میری بر وقت اور بالکل صحیح رہنمائی فرمائی۔ اسی ضمن میں کئی ایسے صاحبان علم سے ملاقات کرائی جن سے میں نے استفادہ کیا اور میری فکر میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔ حکیم صاحب میدانِ عمل کے مردِ مجاہد تھے ایک ملاقات کے دوران گذشتہ باتوں کے تذکرے کے ضمن میں مجھے بتایا کہ شروع شروع میں یومِ رضا کے پوسٹر لاہور کے درو دیوار پر اپنے چند گنے چنے مخلصین کے ساتھ میں نے خود چسپاں کئے اور لاہور کے اطراف و مضافات جیسے کامونکی، قصور، اوکاڑہ وغیرہ کی طرف جانے والی ویگنوں کے ڈرائیور صاحبان کے ذریعہ ان علاقوں میں بھجوا کر وہاں کے امام حضرات کے توسط سے چسپاں کراتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ میں نے حکیم صاحب کو جوانی کے عالم میں نہیں بلکہ پیری کے عالم میں دیکھا تھا۔ لیکن ان دنوں میں بھی وہ اپنے معمولات کے پابند اور بہت چاک و چوبند نظر آتے تھے۔ ہر کام کرنے کا اُن کا اپنا ایک خاص سلیقہ تھا اور ہر حال وہ اس کو برتتے تھے۔

حکیم صاحب کا تحقیقی معیار بہت بلند تھا۔ عصر حاضر کے تحقیقی تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے ان کی تحریرات اس پہ شاہد ہیں۔ مقدمہ نگاری میں ''کشف المحجوب'' (تصنیف حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ) کے اردو ترجمہ میں شامل ان کا مقدمہ جو انتہائی معلوماتی ہے بڑی ادبی اور علمی اہمیت کا حامل ہے یوں ہی حاشیہ نگاری میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ ''باغیٔ ہندوستان'' (مطبوعہ مکتبۂ قادریہ پاکستان) پر لکھا ہوا حاشیہ اور بعض معاملات میں محترم شیروانی صاحب پر کیے گئے نقد و تعاقب پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض جزوی اختلاف کے باوجود اہل علم کو اعتراف ہے کہ حکیم صاحب نے اس حاشیہ نگاری میں انتہائی اعتدال کا مظاہرہ کرتے ہوئے تصویر کے دونوں رُخ کو قارئین کے سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے جو انصاف پسند طبقے کا شیوہ ہے۔ پہلی ملاقات میں جب مَیں نے تعارف کراتے ہوئے اپنا نام نوشاد عالم چشتی بتایا تو وہ ''چشتی'' سُن کر بہت خوش ہوئے۔ پھر سلسلۂ چشت اہل بہشت پر بہت معلوماتی گفتگو کی۔ برصغیر میں سلسلۂ چشت کے اثر و نفوذ کے بارے میں بہت مؤرخانہ نقطۂ نظر سے سیر حاصل بحث کی۔ اور بتایا کہ میں بھی سلسلۂ چشت سے ہی وابستہ ہوں، امرتسر کے ایک چشتی بزرگ غالباً غلام محمد ترنم چشتی علیہ الرحمہ کا ذکر بھی بڑے والہانہ انداز میں کیا۔ لیکن ان کا ذکر کس حوالے سے ہوا اس کی تفصیل مجھے یاد نہیں رہی۔

ایک بار گرمی کے موسم میں تقریباً ۱۱ بجے کے قریب میں حکیم صاحب کے مطب میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ حکیم صاحب خلافِ معمول کچھ افسردہ دل مطب کے اندر والے حصہ میں تشریف فرما ہیں۔ سلام کرنے کے بعد میں نے خیریت دریافت کرتے ہوئے اُداسی کا سبب پوچھا تو اپنا عینک درست کرتے ہوئے غالباً گجرات یا پنجاب کے ہی کسی علاقہ کا نام لے کر کہنے لگے کہ چشتی صاحب کیا بتاؤں! دیکھیے فلاں صاحب (اتفاقاً ان صاحب کا نام بھی مجھے یاد نہیں رہا) انتقال کر گئے بڑا علمی نقصان ہوگیا، میں اُن

سے (کسی جگہ یا کسی فرد کے حوالے سے) تاثرات لکھوانا چاہتا تھا۔ افسوس مگر ایسا نہ ہوسکا۔ مجھے حکیم صاحب کی اس وضاحت سے محسوس ہوا کہ آئندہ نسل تک حقائق کو پہنچانے میں حکیم صاحب انتہائی حساس اور مسلسل مصروف عمل ہیں۔ حکیم صاحب کی خواہش یہ تھی کہ "حقائق سے ہر فرد کو باخبر رکھا جائے تا کہ "حق" و "باطل" کی تمیز کرنے میں ان کا شعور بیدار رہے۔ ایک بار باتوں باتوں میں حکیم صاحب کہنے لگے، چشتی صاحب اہل چشت کے ساتھ بھی لوگوں نے بڑی زیادتیاں کی ہیں حالانکہ چشتیوں نے سب کے ساتھ انتہائی وسعت قلبی کا مظاہرہ کیا مگر لوگ "مہمانی کے آداب" ہی بھول جائیں تو یہ اپنے اپنے ظرف کی بات ہے۔

قیام پاکستان کے دوران میری حکیم صاحب سے پچاس سے زائد ہی ملاقات رہی اور الحمدللہ! میں نے تمام ملاقاتوں میں ان سے کچھ نہ کچھ حاصل ضرور کیا۔ کبھی ان کے مطب سے خالی نہیں لوٹا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر میں نے حکیم صاحب سے ملاقات نہ کی ہوتی اور ان کی محفل میں بیٹھنے کا شرف حاصل نہ کیا ہوتا تو شاید میں بہت سارے شعبۂ ہائے زندگی میں اتنی اچھی کارکردگی یا صلاحیت کا مظاہرہ نہیں کر پاتا۔ حکیم صاحب کی محفل میں بیٹھنے والوں کو ایک سوچ، ایک فکر ملتی تھی۔ پوری امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کے لیے کچھ کرنے کا جذبہ ملتا تھا۔ دنیائے انسانیت کی خدمت کے لیے ایک پیغام ملتا تھا۔ حکیم صاحب کی "محفل" فرد اور سماج دونوں کے لیے "سنگم" کی حیثیت رکھتی تھی، جہاں حال و قال، دین دار و دنیادار، مغرب و مشرق کے افکار و اثرت پر سیر حاصل بحث ہوتی تھی، نتائج نکالے جاتے تھے اور جماعت اہل سنت کی بقا کے لیے "خطوط" متعین ہوتے تھے اور انہیں ہدایات پر مبنی تحریرات جب منظر عام پر آئیں تو شرق سے غرب تک ایک خاموش علمی انقلاب برپا ہوا جس سے اہل علم کا ایک اچھا خاصا طبقہ جماعت اہل سنت کے متعلق حقائق سے واقف ہوا اور مخالفین کے پروپیگنڈہ سے آگاہ ہوا۔

حکیم صاحب ہندوستانی ہونے کے ناطے مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے مجھ کو "دعا" اور "دوا" دونوں سے نوازتے تھے۔ خمیرہ کا ایک خوراک بوقت ملاقات پیش کرنا تو ان کے معمول میں شامل تھا۔ مجھ سے حکیم صاحب نے دوا کا کبھی بھی پیسہ نہیں لیا یوں تو وہ تمام دوائیں مجھ کو اپنے مطب سے ہی فراہم کرتے تھے مگر بدرجۂ مجبوری اگر کوئی دوا باہر سے منگوانی پڑ جاتی تو مجھ کو ایک رقعہ لکھ کر دیتے اور کہتے کہ فلاں دوکان سے جاکر دوا میرے رقعہ کو دکھا کر لائیے۔ اور اس رقعہ کی بدولت مجھ کو وہ دوا دوکان سے انتہائی کم قیمت پر دستیاب ہو جاتی کیونکہ اس رقعہ سے مجھ کو خاص رعایت مل جاتی۔ میں جب دوا لے کر ان کے مطب پر پہنچتا اور ان کا شکریہ ادا کرتا تو کہتے کہ ارے بھائی آپ ہمارے مہمان ہیں۔ آپ کا ہر طرح سے تعاون کرنا تو میرا فرض ہے۔ کبھی کبھی مجھ سے ہندوستان کے سیاسی و علمی حالات کے پس منظر میں علمائے اہل سنت کے متعلق طویل گفتگو فرماتے۔ مجھ کو حکیم صاحب نے ہندوپاک کے بہت سارے ماضی و حال کے افراد کے متعلق ان حقائق سے آگاہ کیا جن سے مجھے ان تمام لوگوں کی "شخصیات" کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوئی۔ خاص کر اس دور میں سیاسی حالات کی بنا پر پیدا شدہ اختلافات کے ضمن

میں کچھ صاحبانِ جبہ و دستار نے اپنی ہی جماعت کے کچھ علماء کرام کو نیچا دکھانے کے لیے کس طرح کے ''کارنامے'' انجام دیئے تھے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ خصوصیت کے ساتھ صدرالافاضل کو ''سدالافاضل''، مفتی اعظم کو ''مفتری اعظم'' اور صدرالشریعہ کو ''سدالشریعہ'' کہنے لکھنے والے حضرات کی بھر پور عکاسی کی تھی۔ ایک کتاب کا نام لے کر حکیم صاحب نے جب اس سے مرتب ہونے والے نقصانات کا ذکر کیا تو ان کی تجزیاتی گفتگو سے میری آنکھیں کھل گئیں۔ اس کتاب سے جماعتِ اہل سنت کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچا، میں تو اسے محسوس بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہی کتاب کافی عرصے کے بعد جب دوبارہ ہندوستان میں شائع ہو کر دہلی کے کسی مکتبہ میں فروخت ہونے کے لیے آئی تو اس کو ایک بڑے عالم صاحب نے فوراً ہٹوا دیا اور کہا کہ اسے لکھنؤ کی گومتی (ندی) میں دریا برد کر دو اس کا اصل مقام وہی ہے۔

بعض دفعہ حکیم صاحب مجھ سے امرتسر کے متعلق بھی بڑے والہانہ انداز میں گفتگو کرتے تھے یہاں کے مختلف مقامات اور بازاروں کا نام لے لے کر ان سے منسوب واقعات کا ذکر بھی کرتے (واضح ہو کہ اب امرتسر صرف سکھ تہذیب و تمدن کا گہوارہ نظر آتا ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے یہ شہر مسلم تہذیب و ثقافت کی بھی نمائندگی کرتا تھا، مسلم اور غیر مسلم آبادی کا تناسب مساوی ہونے کا ذکر مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب نے اپنی کتاب 'شمع توحید' میں بھی کیا ہے) غالباً یہاں کے سکھ اہل قلم صاحبان سے حکیم صاحب کا قلمی رابطہ تھا۔ ایک مرتبہ میں ہندوستان سے پاکستان جاتے وقت یہاں سے حکیم صاحب کے لیے کچھ سیب خرید کر لیتے گیا۔ لاہور پہنچنے پر جب حکیم صاحب کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے ان سیبوں کو پیش کیا کہ میں انہیں آپ کے لیے امرتسر سے لایا ہوں، تو بہت مسکرائے۔ ان کے چہرے پر ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ٹھیٹھ پنجابی زبان میں میرا استقبال کرتے ہوئے سیبوں کو ہاتھوں میں لیا۔ ایک صاحب سے دھلوایا، دراز سے چاقو نکال کر انہیں قاشوں میں تبدیل کر دیا۔ ایک ایک قاش حاضرین کو بانٹا اور خود بھی مسرور ہو کر کھایا اور مجھے ایک خوراک خمیرہ کا بھی کھلایا۔

ایک دفعہ یونہی دورانِ ملاقات امرتسر کا ذکر پھر آ گیا۔ حکیم صاحب امرتسر کے اخبار ''اہل حدیث' ہفتہ روزہ کے مقابلے میں امرتسر کے اخبار ''اہل فقہ'' (جو بعد میں ''الفقیہ'' ہفت روزہ کے نام سے شائع ہوتا تھا) کے قلمی معرکہ آرائیوں کا ذکر کر رہے تھے۔ اسی ضمن میں کئی اشخاص و اماکن کا بھی تذکرہ ہوتا رہا (ایک دور تھا جب امرتسر سے اردو میں کئی معیاری رسائل و جرائد شائع ہوتے تھے غالباً حکیم صاحب کے پاس مذکورہ ہفت روزہ کے کچھ پرانے نسخے محفوظ تھے) میں نے کہا، حکیم صاحب معاف کیجیے! امرتسر میں اب مسلمانوں کے نام سے وابستہ کوئی جگہ، بازار تو دور کی بات ہے ان سے منسوب کوئی گلی بھی نہیں پایئے گا۔ ایک دو مسجدوں کو چھوڑ کر بقیہ ساری مساجد مسمار کر دی گئیں۔ مسلمانوں کی یادگاروں کی شکلیں اور ان کی ہیئت ایسی تبدیل کر دی گئی ہیں کہ انہیں دیکھ کر بھی نہیں پہچان پایئے گا۔ مسلمانوں کے انخلاء کے بعد امرتسر اب وہ نہیں رہا جسے آپ نے دیکھا تھا مسلمانوں کی آبادی بالکل برائے نام ہے۔ دور دراز

سے آئے مسلمان مزدور طبقے کے افراد نے ان مسجدوں کو آباد کر رکھا ہے ورنہ مقامی مسلمان اب شاید ہی پائے گا۔ مسلم قبرستانوں کو کالونیوں میں تبدیل کر کے ان پر شاندار رہائشی فلیٹس بنا دیئے گئے ہیں۔ پہلے جس شہر سے اللہ اکبر کی صدائیں گونجتی تھیں اب اذان کی آواز بے ہنگم سُروں کی مسلسل چیخ و پکار میں بہت نحیف و کمزور انداز میں سنائی پڑتی ہے۔ ہاں آپ اپنے زمانے کی ایک چیز ضرور امرتسر، اس کے گرد و نواح اور اطراف میں اب بھی دیکھ سکتے ہیں۔ بہت تعجب کے ساتھ کہنے لگے وہ کیا، مَیں نے کہا وہ مسلمان عورتیں جنھیں کفر کے مضبوط ہاتھوں نے ہم سے چھین لیا تھا یا وہ یتیم بچیاں یا بیوہ عورتیں جن کو کسی مجبوری کے تحت چھوڑ کر ان کے عزیز و اقارب پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ ان میں سے آج بھی کچھ عمر دراز ہیں، کچھ پیرانہ سالی کی منزل میں ہیں (کچھ مرکھپ بھی گئیں ہوں گی) آج بھی ان کے دلوں میں اسلام زندہ ہے، چہرہ سے نورِ توحید سے عیاں ہے، ذہن پریشاں ہے، قلب مضطرب ہے لیکن بے کس ہیں۔ بے بس و مجبور ہیں کفر کے طاقتور حصار میں محصور ہیں۔ اور جو پاکستان بنانے کی سزا آج بھی بھگت رہی ہیں۔

حکیم صاحب نے میری باتوں کا بڑا گہرا اثر لیا۔ میں خود بھی اپنے آپ کو جذباتی محسوس کر رہا تھا ان کے چہرے پر حسرت و افسوس کے اثرات واضح دکھائی دے رہے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی آنکھیں نمناک ہوگئیں اور آنسوؤں کے کئی قطرے ان کے دامن میں جذب ہوگئے۔ انتہائی سرد آہ بھرتے ہوئے حکیم صاحب بھی جذباتی ہوگئے، آواز بھرا گئی کہنے لگے۔ مسلمانانِ برصغیر نے جس پاکستان کے لیے قربانی دی تھی ہمیں افسوس ہے کہ ہم لوگوں کو وہ پاکستان نہیں ملا۔ پاکستان اسلام کا وہ قلعہ نہیں بن سکا جس کی ہم امید کرتے تھے۔ مسلمانانِ ہند اور اسلام کے ساتھ یہاں کے حکمرانوں نے وفاداری نہیں کی۔ حق بات تو یہ ہے کہ اب پاکستان میں نظام مصطفےٰ کے نفاذ کا کوئی امکان بھی نظر نہیں آتا۔ مذکورہ گفتگو سے دل بہت بوجھل اور ماحول اداس ہوگیا تھا۔ لہٰذا میں نے حکیم صاحب سے دوسرے دن ملاقات کا وعدہ کر کے محترم جناب ظہورالدین صاحب سے ملنے سوڈھیوال کالونی چلا گیا۔

۳ ≡ ◎ ≡ ۳

باقی: **اہلِ سُنَن کے تین چراغ اب نہیں رہے**

وہی شخصیت تھی جنھوں نے آج ہی، اپنی رحلت سے چند گھنٹے قبل استاذ الاساتذہ اُو۔ کے زین الدین مسلیار (رحمۃ اللہ علیہ) کی نماز جنازہ پڑھائی۔ چند ہی گھنٹے بعد وہ بھی ان کے شریک آخرت ہونے کے لیے رحلت فرما گئے۔ اعلان کے مطابق ۱۷ اگست ۲۰۰۲ء بروز سنیچر قبل ظہر ساڑھے بارہ بجے دن میں ہزاروں ہزار علماء و عوام کے ہاتھوں سپرد خاک ہوئے۔ (اللہ تعالیٰ ان سبھوں کی قبروں کو منور فرمائے)

ان عظیم شخصیتوں کی رحلت سے صرف "مرکز الثقافۃ السنیہ الاسلامیہ" ہی کو نہیں بلکہ دنیائے سنیت کو بے حد نقصان پہونچا۔ رب قدیر ان کے اقرباء، رفقاء اور جمیع اہل سنن کو صبر جمیل کے ساتھ ساتھ ان کا نعم البدل بھی عطا فرمائے۔ (آمین)

تبصرۂ کتب

نام کتاب: تقویۃ الایمان میں تحریف کیوں؟

مصنف: مولانا محمد علی رضا قادری برکاتی

صفحات: ۹۶

قیمت: ۲۴ روپے

مبصر: محمد ملک الظفر سہرامی، مدیر اعلیٰ الکوثر، سہرام۔ ۸۲۱۱۱۵

ناشر: الدار السنیہ۔ ۹۵، اُنڈریا اسٹریٹ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۸

برِ صغیر ہندو پاک کی خوشگوار فضاؤں میں ایمان کی ہری بھری کھیتیوں کو افتراق و انتشار کی جس باد سموم نے جھلسا دینے کا ناخوشگوار فریضہ انجام دیا اس میں ''تقویۃ الایمان'' کا نام بہت نمایاں ہے۔ شاہ محمد اسماعیل دہلوی (م ۱۲۴۶ھ) شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادے سے تعلق رکھنے والے ایک ذی علم شخصیت کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ ''تقویۃ الایمان'' نامی کتاب ۱۵ر محرم الحرام ۱۲۴۰ھ میں پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی۔ اس کتاب کے منظر عام پر آتے ہی ہندو پاک کے عام مسلمانوں کے مذہبی جذبات میں ایک ہیجانی کیفیت نمایاں طور پر محسوس کی گئی۔ کیوں کہ اس کتاب میں مقدس انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور اولیائے کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تعلق سے جو ناروا اور اہانت آمیز لب و لہجے کا استعمال کیا گیا تھا اس کی کاٹ سے دین پسند مسلمانوں کے قلوب زخمی ہونے سے محفوظ نہ رہ سکے۔ چنانچہ ولی اللّٰہی خاندان سے متعلق افراد نے اس کے ردّ میں کئی کتابیں لکھیں۔ بطلِ حریت، مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ نے ''تحقیق الفتویٰ'' اور ''امتناع النظیر'' میں شاہ اسماعیل دہلوی کے عقائد باطلہ کا مدلل و مفصل ردّ فرما کر اس طوفانِ بلاخیز کے مقابل مضبوط پشتہ باندھا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ''تقویۃ الایمان'' کی تصنیف کا مقصد ہی افتراق بین المسلمین تھا، چنانچہ اس امر کی شہادت خود ''ارواحِ ثلٰثہ'' میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو: ''گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔'' (ارواحِ ثلٰثہ، ظہور الحسن ص ۸۱ طبع سوئم ۱۳۷۰ھ)۔

انگریزوں کے اشارے پر لکھی جانے والی یہ دریدہ دہن کتاب بعد کے زمانے کے لیے افتراق و انتشار کا ایک ایسا سنگ میل ثابت ہوئی کہ مسلمان واضح طور پر دو خانوں میں بٹ گئے۔ گھر گھر میں اختلاف، بھائی بھائی میں انتشار، باپ بیٹے میں افتراق۔ اس کی تائید و تصدیق میں اسی جماعت کے ایک محقق مولوی احمد رضا بجنوری کی یہ رائے قابل ملاحظہ ہے:

> ''افسوس ہے کہ اس کتاب ''تقویۃ الایمان'' جس کی وجہ سے مسلمانانِ ہندو پاک جن کی تعداد بیس کروڑ سے زیادہ ہے اور تقریباً نوے فی صد حنفی المسلک ہیں دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایسے اختلافات کی نظیر دنیائے اسلام کے کسی خطے میں بھی ایک امام ایک مسلک کے ماننے والوں میں موجود نہیں۔'' ('انوار الباری' جلد ۱۱ ص ۱۷)

مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار کا ماحول سازگار بنانے میں اس کتاب نے جو بھیانک کردار

ادا کیا ہے اس کی وضاحت میں اب کسی دوسری شہادت کی چنداں ضرورت نہیں۔ اختلاف و انتشار کی فضا سازی میں موثر رول ادا کرنے والی اس کتاب کو انگریزوں نے مفت تقسیم کرنے کا فریضہ بھی انجام دیا۔ ڈاکٹر قمر النساء اپنے تحقیقی مقالے ''العلامہ فضل حق الخیر آبادی'' ص ۱۸۷، ص ۱۸۸ پر اس رازِ سربستہ سے پردہ اٹھاتے رقمطراز ہیں:

''تقویۃ الایمان پہلی بار (کلکتہ) رائل ایشیاٹک سوسائٹی (انگریزوں کا معروف ادارہ) نے چھاپی اور پروفیسر محمد شجاع الدین صدر شعبۂ تاریخ، دیال سنگھ کالج لاہور نے اپنے ایک خط میں جو انہوں نے پروفیسر خالد بزمی کو لکھا تھا یہ اعتراف کیا ہے کہ انگریزوں نے ''تقویۃ الایمان'' مفت تقسیم کی۔''

دوستی اور وفاداری کا حق ادا کرنے کا سلسلہ یک طرفہ نہیں تھا بلکہ: ع

دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی

باطل نوازی اور انگریزوں کی کاسہ لیسی میں شاہ اسماعیل دہلوی نے بھی حق نمک ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ اس سلسلے میں ''سوانح احمدی'' کا یہ حوالہ ملاحظہ کرتے چلیں:

''مولوی اسماعیل دہلوی نے بھرے مجمع میں کہا، انگریزوں سے لڑنا جائز نہیں بلکہ اگر کوئی انگریزوں پر حملہ کرے تو انگریزوں کی حمایت میں اس سے لڑنا فرض ہے۔'' (سوانح احمدی ص ۵۷)

انگریزوں سے عہد وفاداری نبھانے کی یہ تعلیم و تلقین صرف زبانی نہ تھی بلکہ وقت آیا تو دوستی کا حق ادا کرنے میں ان مصلحین قوم و ملت نے بغیر کسی تامل کے عملی جد و جہد کا چراغ جلادیا اس کے لیے بھی اسی گھر کی داخلی شہادت ملاحظہ کریں:

''انگریزوں کی حمایت میں سکھوں کے خلاف جہاد کرنے والے نام نہاد حامیانِ دین کا لشکر تیار ہوا اور سرحد روانہ ہوا۔ راستے میں انگریز افسران نے دعوتیں کیں مگر دنیا حیرت میں پڑ گئی کہ ان مجاہدین نے سرحد جاکر سب سے پہلا جہاد یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا۔'' (تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص ۲۷۰)

جس منصوبہ بندی کے ساتھ اس گستاخ کتاب میں خوبصورتی سے تحریفات کا عمل جاری ہے اس پس منظر میں ضروری تھا کہ اس کے موجود تمام نسخوں کی روشنی میں سنجیدہ تحقیق کر کے اس راز کو طشت ازبام کیا جائے تاکہ عوام کو حق و باطل کی تمیز ہو سکے اور جو لوگ حقائق سے یکسر آنکھیں بند کر کے ان کی ظاہری عبادت و ریاضت کے دامِ تزویر کے شکار ہیں وہ ایک مرتبہ سنجیدگی کے تمام تقاضوں کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے حقائق کا باریک بینی سے مطالعہ کریں اور حق کی روشنی میں اپنے سمت سفر کا تعین کریں۔

''تقویۃ الایمان میں تحریف کیوں'' مولانا محمد علی رضا قادری برکاتی کی ایک سنجیدہ تحقیق اور قابل قدر کاوش ہے۔ موصوف اپنی کوشش کے لیے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ابتدائے کتاب میں جناب محمد زبیر قادری نے مصنف کا تعارف پیش کیا ہے جس سے صاحب کتاب کی دین سے گہری وابستگی کا پتا چلتا ہے۔

عرض حال کے تحت مصنف اس کتاب کی تصنیف کا پس منظر بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے ان دشمنوں نے اندورنی ہتھیار اپنائے، یہ ہتھیار تھے

مسلمانوں کے روپ میں مسلمانوں کے دشمن پیدا کئے جائیں جو نام تو اسلام کا لیں کام اسلام کی مخالفت کا کریں۔"

ایسے ہی اندورنی ہتھیاروں اور دشمنوں کے ایجنٹوں میں سے ایک خطرناک ترین ہتھیار ہے وہابیت، جس نے تقریباً ایک صدی سے اس امت کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے اور اس وہابیت کی وجہ سے امت مسلمہ بکھر کر رہ گئی ہے ہر گھر میں اختلاف کی دیوار چین چنی ہوئی ہے۔

باطل افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت میں اس کتاب کا استعمال خوب خوب کیا گیا اور اس کی طباعت میں دل کھول کر حصہ لیا گیا۔ کبھی مفت تو کبھی رعایتی قیمت پر عوام تک پہنچانے کی مسلسل سعی بلیغ جاری ہے۔ اس کے قدیم و جدید نسخوں میں سے ہر ایک نسخے میں کچھ نہ کچھ ترمیم و تحریف کا عمل ضرور روا رکھا گیا ہے۔ عبارتوں کے گھناؤنے اور رکیک لب و لہجے کی شدت کو کسی حد تک کم کرنے کی کوشش کی گئی اور کہیں کہیں تو بالکل ہی تیور بدل دیا گیا ہے۔ اس میں بقول مصنف صرف ۲۴ تحریفات کی ہی نشاندہی کی جارہی ہے جب کہ تحریفات کی تعداد اس سے زائد ہے۔ وہابیت کے حقیقی خط و خال کو سمجھنے میں اس کتاب سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ لیکن شرط ہے کہ اس مطالعے میں تعصب و تنگ نظری کی عینک اتار کر رکھ دی جائے تو ساری حقیقت دن کے اجالے کی طرح روشن ہوکر سامنے آجائیں گی۔ معروف محقق و فکار ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم مصباحی صدر شعبۂ علوم اسلامیہ ہمدرد یونیورسٹی کے خامۂ زرنگار نے تاریخی و تحقیقی پیش لفظ تحریر فرما کر اس کتاب کے حسن معنوی میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ کتابت و طباعت معیاری ہے صفحات کے لحاظ سے قیمت کچھ زیادہ ہے الدارالسنیہ کی یہ اشاعتی کاوش لائق صد تحسین و مبارکباد ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نام کتاب: الصلوٰۃ والسلام (مجموعۂ نعت)

مصنف: محمد علی صدیقی شیدا

صفحات: ۱۲۴

قیمت: ۱۰۰ روپے

مبصر: علامہ بکل اتساہی (سابق ممبر پارلیمنٹ)

ہمارے ادیب، شاعر اور تنقید نگار "نعت" کو صنفِ شاعری میں شمار کریں یا نہ کریں لیکن مرثیہ اگر ایک صنفِ شاعری ہے تو بہر حال "نعت" کو بھی شاعری کی ایک صنف سمجھنا چاہیے۔ اس جانب داری کی ایک وجہ یہ ہے کہ بیشتر شعرائے کرام نے اپنے مجموعۂ کلام کی زینت بنانے کے لیے تبرک کے طور پر نعت کہی لیکن محمد علی صدیقی شیدا محض اس روایت کی ادائیگی تک محدود نہیں رہتے بلکہ وہ اسے اپنے ایمان و عقیدے اور افکار و خیالات کی تشریح و تفسیر کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ "نعت" مذہبی شاعری ہے اور اس میں آفاقیت نہیں ہے کیونکہ اس کا فکری دائرہ محدود ہے جب کہ آفاقیت کے معنی ہیں کہ جس میں عالم گیریت ہو اور اس میں حیات و کائنات کے رازہائے سربستہ پوشیدہ ہوں۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل اور تکلف نہیں کہ نعت میں ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت و صورت دونوں کا ذکر ہوتا ہے۔ سیرت کے بیان سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک فطری مذہب ہے جو معاشرے کو بنانے اور سنوارنے کا دائمی حل پیش کرتا ہے اور حقانیت پر

مبنی ایک ایسا پیغام دیتا ہے جو بنی نوع انسان کو انسانیت وصلہ رحمی کا راستہ دکھا کر جینے اور مرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ تو آپ ﷺ کی صورت کے تذکرے سے ایمان وایقان کا حصول اور عرفان و آگہی کے راستے ہموار ہوتے ہیں۔ اس لیے ''نعت'' کو محض عقیدت کی شاعری کہہ کر مذہبی کھاتے میں ڈال دینا سراسر ناانصافی ہے۔ نعت زندگی کو جلا بخشتی ہے اور انسانی اقدار کو اجاگر کرتی ہے۔ یہ ہم کو عرفان کی نئی منزلوں سے آشنا کرتی ہے اور اس مقام تک پہونچاتی ہے جو ایک مومن کی معراج تصور کی جاتی ہے۔ اس میں پوری طرح شعری فنکاری کا اظہار ہوتا ہے اور ادب عالیہ کے بہترین نمونے اشعار کی صورت میں حضور اکرم ﷺ کی نذر کیے جاتے ہیں۔ اکثر نعت کو شاعری کی ایک صنف نہ سمجھنے کی ایک وجہ یہ بھی کہی جاتی ہے کہ تنقید نگار کے ہاتھ بندھ جاتے ہیں اور شریعت کی تلوار، عقیدت جس کی ڈھال ہے۔ قلم کو پابندیوں میں جکڑ لیتی ہے۔ یہ ایک کمزور توجیہہ ہے۔ بہرصورت میں نعت گوئی کو شاعری کی ایک الگ صنف تسلیم کرتا ہوں۔ کیونکہ نعتیہ شاعری ہماری تہذیب وتمدن اور اردو، فارسی وعربی ادب اور شاعری کا اہم ترین حصہ ہے۔

نعت گوئی کے پاک کوچے میں وہی لوگ قدم رکھنے کی جسارت کرتے ہیں جو اس فن کی نزاکت، باریکی اور پابندیوں سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ ان کو پل صراط پر چلنا ہے۔ ذرا بھٹکے اور آگ میں گرے، سارا ایمان وعمل غارت، نعت گوئی کے لیے ضروری ہے کہ جذبۂ شوق مرکزِ موجودات ﷺ کی طرف رجوع ہو۔ دل محبت وعقیدت رسول ﷺ سے پُر ہو اور نذر کرنے کو اشکوں کی وہ لڑی ہو جو اشعار میں ڈھل کر صفحۂ قرطاس پر موتی کی طرح بکھر جائے۔

محمد علی صدیقی شیدا کی شاعری محض فرصت کا مشغلہ نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر انہوں نے اپنی شاعری کو صرف نعتیہ کلام تک محدود رکھا ہے۔ عقیدت اور گرویدگی کے اس جذبے کا میں دل سے قدر دان ہوں، عشق رسول ﷺ اور جذبۂ ایمانی کے مختلف درجات ہیں، ان کا احاطہ بھی مشکل اور سمجھنا بھی آسان ہے۔ کون جانتا ہے کہ کس کے سینے میں عشق رسول ﷺ کی کیسی جوت جل رہی ہے۔ لیکن وہ اس یقین کا اظہار ضرور کرتے ہیں ۔

خدائے برتر کی ہمسری کا یہاں کوئی مسئلہ نہیں ہے
مگر حقیقت یہی ہے لوگو بجز خدا کے وہ کیا نہیں ہے

وہ تجلی مجسم، وہ چراغ لامکاں ہے — اسی نور سے ہی روشن یہ زمین وآسماں ہے

نہ وہ جوش وجذبات میں آکر ''محمد خدا ہیں خدا ہیں محمد'' کی رٹ لگاتے ہیں اور نہ ہی ''محمد جہاں میں خدا بن کے آیا'' جیسی قوالی کا راگ الاپتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ توازن قائم رکھتے ہیں اور ''رب العالمین اور رحمۃ للعٰلمین'' کے فرق کو خوب سمجھتے ہیں وہ نعت کے ذریعہ سرور کائنات ﷺ سے اپنے عشق اور اپنی عقیدت کا اظہار تو برملا کرتے ہیں لیکن اظہار خیال میں اعتدال قائم رکھتے ہیں اور کہیں بھی راہ سے نہیں بھٹکتے۔ وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کے اس قول پر پوری طرح عمل پیرا ہیں۔

''اس میں (نعت گوئی میں) تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تنقیص ہوتی ہے۔''

چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

محمد ﷺ کا خدا خود مدح خواں ہے اپنے مصحف میں — نہ ہو جس کو یقین وہ شخص قرآں کی زباں سمجھے
سرکار دو عالم کے خیالوں میں ڈوب کر — اکثر حدودِ ہوش سے باہر نکل گئے

نظر آئے سبز گنبد تو بلائیں لوں میں اس کی　　　کبھی آنکھ کو اُٹھا کر کبھی آنکھ کو جھکا کر

وہ رسماً نعت نہیں کہتے بلکہ اسے عبادت سمجھتے ہیں اسی لیے ان کی زبان سلیس وسادہ اور اشعار میں برجستگی وکیفیت ہے۔ انہیں خوب احساس رہتا ہے کہ یہ زندگی سرکار دوعالم ﷺ کے صدقے میں میسر ہوئی ہے۔ اور کائنات کی تخلیق انہیں کے طفیل میں ہوئی ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے "لولاک لما خلقت الافلاک" (یعنی اے حبیب) اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو ہی پیدا نہ کرتا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کیا خوب فرماتے ہیں ۔

تو اصل وجود آمدی از نخست　　　دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

یعنی آپ (نبی اکرم ﷺ) کا وجود ازل سے ہے اور اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ آپ ﷺ کے وجود کی فرع (شاخ) ہے اور بقول حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندی قدس سرہٗ العزیز

"...... حقیقتِ محمد یہ کُل اور موجودات کے حقائق اس کے اجزاء ہیں۔"

محمد علی صدیقی شیدا اس خیال کی ترجمانی اپنے اشعار میں اکثر وبیشتر کرتے نظر آتے ہیں جیسے۔

یارب دلِ شیدا کو اس نور سے چمکا دے　　　جس نور کے صدقے میں عالم کو سجایا ہے

قدرت کا جلوہ ان کے اشارے دکھاتے ہیں　　　ہو صاحب نظر تو یہ جلوہ دکھائی دے

تو حبیب خالق انس و جاں ترے نور ہی سے بنے جہاں

تو شفیعِ اُمتِ بیکساں، تری مدح پھر نہ ہو کیوں بیاں

برجستگی وسلاست کے ساتھ تناسب الفاظ کے استعمال سے ان کے اشعار میں جاذبیت نیز اثر آفرینی پیدا ہوگئی ہے۔ وہ اپنی نعتوں میں عام طور سے روایتی ترنم قسم کی ردیفیں اور قوافی استعمال کرتے نظر نہیں آتے اکثر قوافی ردیفیں نئے ہیں جسے انہوں نے بڑی خوبی اور خوبصورتی سے نبھایا ہے۔ مثلاً

رُموزِ ہستی بتائے جس نے، بنایا درسِ قرآں کے لائق

اسی کی طاعت سے بن سکے ہم، شہودِ ربِّ جہاں کے لائق

درِ رحمت سے پائیں گے بھی مقدور کا تحفہ　　　ازل کا نور بانٹے گا ابد تک نور کا تحفہ

ان کے کلام کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ انہوں نے نہ تو اسرائیلی روایات کو نعت کا جز بنایا اور نہ ہی سیرت کے واقعات اور مدحِ صحابہ کا سہارا لیا۔ وہ صرف کائنات میں سب سے افضل، سب سے اجمل، سب سے بالا و برتر، فخرِ آدم، نورِ مجسّم، صاحب کوثر، شفیع محشر، رحمۃ للعالمین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی مقدس اور عظیم ترین شخصیت کو اپنے اشعار کی زینت بناتے ہیں اور اسی کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

محبت میں تمہاری پڑھتا رہتا ہوں درود اکثر　　　مرے آقا ﷺ یہی ہے اس دل مجبور کا تحفہ

تعریف اس کی لفظوں میں کرنا محال ہے　　　حسنِ رسول آپ ہی اپنی مثال ہے

آپ کی یاد ہے دن رات رسولِ عربی ﷺ　　　ہیں منور مرے لمحات رسولِ عربی ﷺ

اس مجموعے کی یہ منفرد خصوصیت ہے کہ حضور پاک ﷺ کی تعریف میں قرآن وحدیث کے اُردو تراجم کے اقتباسات مع انگریزی ترجمہ بڑی خوبی سے جمع کردیئے گئے ہیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ یہ مجموعہ "الصلوٰۃ والسلام" عوام وخواص میں یکساں طور پر سراہا جائے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ بارگاہِ رسالت میں بھی مقبول ہوگا۔

ooo

علم توقیت میں ملک العلما کے ایک ممتاز شاگرد

حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ

نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور

از: ساحل سہسرامی ایم اے (علیگ)

ملک العلما مولانا محمد ظفرالدین قادری رضوی (۱۳۰۳ھ - ۱۳۸۲ھ) امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہما کے خاص فیض یافتہ، تلمیذ، مسترشد اور خلیفہ تھے۔ جنہوں نے پوری زندگی اپنے مربی استاذ اور مرشد کے افکار کی اشاعت میں گذار دی۔ آپ پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف، ہزاروں تلامذہ کے مشفق استاذ، سینکڑوں مریدین کے مرتاض مرشد اور ایک پاکیزہ، دل آویز شخصیت کے مالک تھے۔ اخلاق ایسا وسیع، کردار اتنا پختہ اور علم ایسا گہرا پایا تھا کہ پورے متحدہ ہندوستان کے اصحاب کمال اور صاحبانِ زہد سے آپ کے رابطے تھے۔ اس کا اندازہ آپ کے ذخیرۂ مکاتیب کو دیکھنے کے بعد ہوا لیکن مزاج سادہ اور طبیعت بے نفس پائی تھی اس لیے نام ونمود سے کوسوں دور رہے۔

امام احمد رضا کے گرامی تلامذہ نمایاں جہتوں میں خصوصی امتیاز لے کر آفاق عالم پر جلوہ گر ہوئے۔ حضرت صدرالشریعہ، بدرالطریقہ علامہ حکیم امجد علی قادری رضوی کی بے مثل فقاہت امام احمد رضا کے تفقہ کا عکس جمیل تھی۔ حضرت مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری کا زہد وتقویٰ امام احمد رضا کی روحانی یادگار تھا اور ملک العلما مولانا محمد ظفرالدین قادری رضوی علم ہیئت وتوقیت میں امام احمد رضا کے یکتا جانشین تھے۔ اس کی تائید اعلیٰحضرت کے ان مبارک کلمات سے ہوتی ہے:

''مکرمی مولانا ظفرالدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں اعز طلبہ ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں، عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے ''زواجر'' میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عامۂ بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عامۂ مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے جس میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے، انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کرکے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔''

(حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۴۴)

ملک العلما نے دیگر علوم کے ساتھ علم توقیت میں بھی کئی قلمی یادگاریں چھوڑی ہیں۔ ''الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت''، ''سلم الافلاک''، ''مشرق اور سمت قبلہ''، ''موذن الاوقات'' جیسی قیمتی تصانیف اسی فن کے شہ پارے ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف میں امام احمد رضا کے علمی افادات اور قیمتی تحریر میں حوالوں کے ساتھ درج کی ہیں۔ امام احمد رضا سے کچھ عقیدت ہی ایسی تھی۔ ''جامع الاقوال فی رویۃ الہلال'' میں امام احمد رضا کا مبارک رسالہ ''طرق اثبات الہلال'' کے مباحث، ''صحیح البہاری معروف بہ جامع الرضوی'' میں اعلیٰ حضرت کے حدیثی افادات، اور ''الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت'' میں امام احمد رضا کے مستخرجہ ہیئتی اور توقیتی افادات شامل ہیں اور لطف یہ کہ ہر جگہ اس مصدر فیض کا برملا اعلان اور اس نسبت شرف پر اظہار افتخار بھی ملتا ہے۔ یہی انداز محبت حضرت صدر الشریعہ کے یہاں بھی موجود ہے۔ آپ نے بہار شریعت کے کتاب الحج میں اعلیٰ حضرت کا مبارک رسالہ ''انوار البشارۃ فی مسائل الحج و الزیارۃ'' من وعن شامل کیا ہے۔ اس طور سے ملک العلما کی تحریروں کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے کہ ان میں افادات رضا کی تجلیاں شامل ہیں۔

حضرت ملک العلما کو اپنی دو کتاب کی وجہ سے خاصی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک ''صحیح البہاری معروف بہ جامع الرضوی'' اور دوسری ''موذن الاوقات''۔ پہلی علم حدیث کا نادر شاہکار ہے اور دوسری متحدہ ہندوپاک کے اوقات صوم وصلوٰۃ کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ علم توقیت میں تصانیف کے ساتھ ساتھ آپ کے تلامذہ کا بھی طویل سلسلہ ہے۔ اس سلسلے کی روشن کڑی ہیں حضرت علامہ عبدالروف بلیاوی ثم مبارک پوری علیہ الرحمہ نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔

حضرت مولانا عبدالرؤف علیہ الرحمہ (۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۲ء ...... ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء) یوپی کے ضلع بلیا کے ایک گاؤں بھوجپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کو سادہ اور دیندار ماحول ملا۔ والد ماجد جناب محمد اسلام صاحب کلکتہ میں ریلوے ملازم تھے۔ زندگی کے ابتدائی ایام کلکتہ میں ہی گذرے جہاں آپ نے قرآن حکیم حفظ کیا اور عربی فارسی کی ابتدائی درسیات بھی مکمل کیں۔ ۱۳۵۱ھ میں امروہہ تشریف لے گئے جہاں آپ نے متوسطات تک تعلیم حاصل کی۔ امروہہ سے احسن المدارس کانپور اور پھر مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا اور آخری درسگاہ میں ہی رہ کر معمار قوم حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر علم وفضل کی تکمیل فرمائی۔ بعض سازشی عناصر کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر جب حافظ ملت ناگپور تشریف لے گئے تو مبارک پور کی بزم علم سونی ہوگئی۔ اس وقت آپ بھی ناگپور تشریف لے گئے جہاں علامہ ارشد القادری، مفتی ظفر علی نعمانی اور قاری مصلح الدین جیسے رفقائے درس کے ساتھ آپ کو دستار فضیلت سے نوازا گیا۔

ناگپور، بریلی شریف میں مختصر مدتی درس دینے کے بعد حافظ ملت کی ایما پر آپ مبارک پور تشریف لے آئے اور پھر یہیں کے ہوکر رہ گئے۔ آپ نے پوری زندگی جامعہ اشرفیہ کے کاروان علم کو آگے بڑھانے میں صرف کردی۔ دارالعلوم اشرفیہ کو جامعہ اشرفیہ کی منزل تک پہونچانے میں آپ کی جانفشانہ کاوشوں کا بے حد دخل ہے۔ آپ نے بے حد سادہ طبیعت پائی تھی۔ معمولی خورونوش، نحیف تن و

توش، سادہ لباس لیکن علم اور وقار کا کوہ گراں۔ نہایت جفاکش، متوکل، غنی قلب، نکتہ رس، دور بین، مدبر آشنا سراپا اخلاص شخصیت رکھتے تھے۔ فتاویٰ رضویہ کی تین جلدوں کی اشاعت آپ کی ہی مجاہدانہ کاوشوں کی یادگار ہے۔ علمی استحضار اعلیٰ درجے کا پایا تھا۔ معقولات ومنقولات کے تمام گوشے آپ کی نگاہ میں تھے اور فلکیاتی علوم میں تو اتھارٹی تھے۔ آپ کے ممتاز تلمیذ مفتی شبیر حسن صاحب کے بقول:

""آپ کو ہیئت و نجوم میں کمال حاصل تھا۔ کبھی کبھی کرم فرماتے تو کمرہ سے باہر نکل کر اشرفیہ کی چھت پر تشریف لاتے، ستاروں کی شناخت کراتے اور ان کے اسماء بتاتے اور حرکات و کوائف سے واقف کراتے۔""

تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، منطق و فلسفہ کے ساتھ ساتھ ریاضی، نجوم، ہیئت اور توقیت میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ آپ نے ہیئت و توقیت میں دستگاہ حضرت ملک العلما کی بارگاہ میں رہ کر حاصل کی۔ جب ملک العلما مدرسہ بحر العلوم ضلع پورنیہ بہار میں درس دے رہے تھے اس وقت آپ نے اس فن کو سیکھنے کے لیے پورنیہ کا سفر کیا اور چھ مہینہ رہ کر اس فن میں مہارت حاصل کی۔ پورنیہ سے واپس آنے کے بعد بھی آپ نے اپنے استاذ گرامی سے نیاز مندانہ رابطے برقرار رکھے اور مراسلات کے ذریعے استفادے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

احقر علی گڈھ میں جب حضرت ملک العلما کے نام آئے ہوئے مکاتیب کی فائل دیکھ رہا تھا تو حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف علیہ الرحمہ کے بھی تین نیاز نامے نظر آئے جن میں سے دو کے اندر علم توقیت کے مسائل کا بھی تذکرہ ہے۔ یہاں انہیں مکاتیب کی بلا تبصرہ پیشکش پر اکتفا ہوتی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے "تذکرہ مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ" مصنفہ مولانا قمرالحسن بستوی، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور۔

حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

(۱) مبارکپور مدرسہ اشرفیہ ضلع اعظم گڈھ

۳ر فروری ۵۵ء ۷۸۶/۹۲

استاذ نا المحترم ذوالعزو الحشم زید کرمہ

السلام علیکم

سلام مسنون کے بعد گذارش کہ آنے کے متعلق عرض کیا تھا جس کو حضرت نے شرف قبولیت بخشا جس کا تہ دل سے شکر گذار ہوں۔ ضروری مشاغل کی وجہ سے حاضر خدمت نہ ہوسکا۔ اب قدرے فرصت ہے۔ خیال ہے کہ ۷/۸ر فروری تک حاضر خدمت ہو جاؤں۔ مطلوبہ قرآن پاک تیار ہو گئے تو ساتھ لیتا آؤں گا۔ حضرت استادی مولانا محمد سلیمان صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ فقط والسلام۔

عبدالرؤف

(۲) مبارکپور

۱۵ر مارچ ۵۵ء ۷۸۶

استاذ نا المکرم ذوالعز والکرم مدظلہ العالی السلام علیکم

گرامی نامہ تشریف لایا۔ حالات معلوم ہوئے۔ رائے عالی کے مطابق اوقات سحری میں ۵؍ منٹ کی کمی اور افطار میں ۵؍منٹ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ حضرت قاری صاحب کو خط سنا دیا۔ ان کو بھی خط مل گیا ہے۔ کل جلد ساز کو قرآن پاک دیدیئے گئے ہیں، امید کہ ہفتہ بعد تیار ہو جائیں گے اور وقت پر پہونچ جائیں گے۔ کل بنارس نقشہ کے طبع کے لیے جا رہا ہوں۔ ہفتہ کے بعد واپسی ہوگی۔ حضرت استاذی مولانا محمد سلیمان صاحب قبلہ و حضرت مولانا محمد یوسف صاحب و مولانا محمد شہاب الدین صاحب و حافظ صاحب کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب قبلہ و قاری صاحب وغیرہ سلام کہتے ہیں۔ فقط

عبدالرؤف۔ مدرسہ اشرفیہ مبارکپور

(۳)

مبارکپور ضلع اعظم گڑھ

۷۸۶

۲۲؍شعبان ۷۸ھ

۹۲

۳؍مارچ ۵۹ء

حضرت استاذنا المکرم ذوالعز والکرم دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم

بعد ہدیۂ قدمبوسی گذارش ہے کہ جب طول بلد ۹۰؍ درجہ ہو تو ۵؍ درجہ اعشاریہ تک اس کی تحویل کیسے ہوگی؟ میں نے کوشش کی مگر دو درجہ اعشاریہ سے زیادہ تحویل نہیں ہو رہی ہے۔

عمل

۹۰×۴= .... ۶ گھنٹہ

۲۴-۶ = ... ۱۸ گھنٹہ

۱۸÷۲۴ = ... ۴۵ منٹ

۴۵....... ....

۱۰

۳۰)۷....... ....

۱۰

)۵ ....

تو کیا دو درجہ اعشاریہ پر دو صفر اضافہ کر کے ۴ درجہ اعشاریہ بنالیں گے ۷۵۰۰ء۰ یا کیا ؟

دوسری گذارش یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا رسالہ ''سمت قبلہ'' جس کا دوسرا باب توضیح التوقیت میں درج ہے اور حضور کا رسالہ ''مسلم الافلاک'' ان دونوں رسالوں کو نقل کرنا چاہتا ہوں۔ غالباً حضور کے یہاں ہوں گے۔ اگر بذریعہ ڈاک بھیجنا مناسب ہو تو تحریر فرمائیں تاکہ ٹکٹ لفافہ میں رکھ کر حاضر خدمت کروں یا جو صورت مناسب خیال فرمائیں ویسے ہی عمل کروں۔ فقط والسلام عبدالرؤف

مدرسہ اشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ

علّامہ فیض احمد اویسی رضوی
اور اُن کا اردو ترجمۂ روح البیان

محمد سراج الدین شریفی
98، مغل پورہ، سہسرام، بہار

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے شہزادۂ اکبر مولانا حامد رضا خاں قادری کے خلیفہ و شاگرد اور خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد رشید و جلیل محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد رشید و جمیل روز ان کے علمی و روحانی جانشین اور مذکورہ علمائے عظام کے واسطوں سے حضرت فاضل بریلوی سے فیض یافتہ اور ان کے افکار و نظریات کے مبلغ و مشتہر رئیس التحریر و ملک المصنفین علامہ ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی کی شخصیت اب دنیائے سنیت میں بہت عزت و احترام سے دیکھی جاتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے تا حال اسلام و سنیت کی جو عظیم قلمی خدمات انجام دی ہیں وہ مثالی اور قابل تقلید نمونۂ عمل ہے۔ ان کی خدمات ممتاز ہی نہیں بلکہ بے نظیر بھی ہے۔ افسوس کہ اتنی قد آور شخصیت اور روشن ستارے کی روشنی و شہ پاروں سے ہندوستان کے سنی محروم رہے ہیں اور ان کے تحریری نوادارت سے خاطر خواہ فائدہ نہیں حاصل کر سکے۔ جبکہ علماء و فضلاء حضرات ان کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے اب تک ہزاروں کتب و رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ جن میں سے ایک ہزار سے زائد زیور طبع سے آراستہ بھی ہو چکے ہیں۔ اس وقت وہ دنیائے اسلام و سنیت کی قرطاس و قلم کے شہنشاہِ زمانہ ہیں عالمی سطح پر ان کی جو انفرادی و ممتاز پہچان بنی اس کے پیچھے ان کی دو قلمی نوادرات ہیں۔ اول "فیوض الرحمٰن" اردو ترجمہ "تفسیر روح البیان" ہے جو پندرہ مجلدات پر مشتمل اور ہر جلد تقریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ فاضل مترجم نے تفسیر مذکورہ کی ترجمہ کے ساتھ ہی قرآن عظیم کا اردو ترجمہ بھی پیش کر دیا ہے اور اس طرح تراجم قرآن کی دنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ دوم "حدائق بخشش" کی اردو شرح ہے جو پچیس مجلدات پر پھیلی ہوئی ہے اور ہر جلد پانچ سو صفحات سے زائد کی ہے۔ خوش قسمتی ہے آج یہ دونوں قیمتی شاہکار نقوش طباعت کے مراحل سے گزر کر مقبول عام و خاص ہو چکے ہیں۔

ہمارے ممدوح علامہ اویسی صاحب مدظلہ العالی کی نسبت ان کی قلمی وارفتگی و انہماک اور تحریر کی برق رفتاری کے متعلق مولانا محمد شفیع اوکاڑوی اکادمی العالمی کراچی کے سولہویں یادگاری مجلہ میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ العالی کے حوالے سے جو ایک مختصر نوٹ شامل کیا گیا ہے اس کا مفہوم یہ ہیکہ "اویسی صاحب نے اس زمانہ میں سب سے زیادہ کتب و رسائل تحریر فرمائے ہیں اور ان کی خصوصیت

وانفرادیت اس معنی میں بھی ہے کہ وہ لکھتے لکھتے تھکتے نہیں بلکہ مزید فرحت وانبساط محسوس کرتے ہیں''۔

بلاشبہ اردو داں طبقہ کے لیے مذکورہ ترجمۂ تفسیر روح البیان ایک تحفۂ عظیم ہی نہیں بلکہ اسلامی علم و معلومات کا گنجینہ خزینہ ہے۔ جناب مترجم نے اپنے ابتدائیہ میں جہاں ایک طرف علم تفسیر کی عظمت و اہمیت پر بہت جامع روشنی ڈالی ہے تو دوسری طرف باطل نظریات پر مبنی تفسیر جیسے ''تفسیر ابن کثیر'' کی نقاب کشائی اور بطلان بھی کیا ہے۔ یہاں مجھے عربی کی مشہور و مقبول ترین تفسیر ''روح البیان'' کا اردو ترجمہ بنام ''فیوض الرحمٰن'' پر بات کرنی ہے۔ یہ ترجمہ سب سے پہلے پاکستان میں جزوی طور پر مکتبہ اویسیہ رضویہ لاہور کے تحت ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔ مگر ہندوستان میں اسے سب سے پہلے مکمل طور پر رضوی کتاب گھر دہلی اور کتب خانہ برکاتیہ بہلی نے مشترک بنیاد پر شائع کیا ہے۔ سالِ اشاعت ۱۹۹۹ء ہے۔ ان دونوں ناشرین نے اسے شائع کر کے اور اسے پورے ملک میں پھیلا کر ایک اہم دینی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اس کے لیے یہ ادارے عوام اہل سنت کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مذکورہ ترجمہ سے علماء و عوام طلباء و مدرسین بھی اپنے اپنے ظرف کے مطابق استفادہ کر سکیں گے۔ اس کی زبان آسان و عام فہم ہے اس لیے عوامی افادیت کے اعتبار سے حضرت مترجم کا ایک بہت مفید و موزوں کارنامہ ہے۔

مترجم موصوف نے ترجمہ سے پہلے ابتدائیہ کے تحت سبب تالیفِ ترجمہ پر اپنا اظہار خیال اس طرح فرمایا ہے۔ ''ناکارہ و آوارہ ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ عرض پرواز ہے کہ فقیر نے زمانۂ طالب علمی میں اپنے اکابر اہل سنت سے تفسیر روح البیان کا بہت غلغلہ سنا تھا۔ مخالفین اہل سنت نے اسے ضعیف وغیر معتبرہ گردانا۔ تحصیلِ علوم و تکمیل فنون کے بعد ۱۳۷۱ھ، ۱۹۵۱ء میں اپنے گاؤں حامد آباد ضلع رحیم یار خاں میں تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گیا۔ انہی دنوں تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ شائع ہوا۔ عوام میں یہ تاثر پیدا کر دیا گیا کہ یہ زمانہ قدیم کی معتبر تفسیر ہے۔ حالانکہ ابن کثیر ابن تیمیہ کا شاگرد اور ان کے مذہب و مسلک کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے والا اور خارجی مذہب و مسلک کا پیروکار تھا۔ اس نے تفسیر ابن کثیر میں اہل سنت کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ یہ تفسیر اہل سنت و جماعت کے عقائد کے بھی خلاف ہے اور مسلکِ حنفیت کے بھی''۔

آگے چل کر حضرت مترجم حضرت فاضل بریلوی کی نسبت اپنی عقیدت و محبت کا نذرانہ نچھاور کرتے ہوئے اپنی نیاز مندی کا ثبوت اس طرح دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ''فقیر نے ترجمہ میں کسی قسم کی ترمیم یا اضافہ نہیں کیا۔ محض اس نیت سے کہ عوام تفسیر کے مطالعے کے بعد خود اس نتیجہ پر پہونچیں اور سمجھیں کہ گیارہویں صدی ہجری میں عقائد و مسائل یہی تھے جن کی امامِ اہل سنت مجدد دین و ملت، شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے چودھویں صدی ہجری میں ترجمانی کی ہے''۔

اس سے پہلے حضرت اویسی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ ''فقیر کو عرصہ سے ایک جامع تفسیر تحریر

کرنے کا شوق دامن گیر تھا۔ روح البیان کا مطالعہ نصیب ہوا تو اس نے مرے شوقِ سابق کے خوابیدہ تصورات کو بیدار کیا۔ وہی کچھ ملا جو میں تفاسیرِ شتّٰی سے چاہتا تھا کہ لغت بھی رہے، حدیث بھی اور تفسیر بھی۔ اہل ظواہر بھی فائدہ اٹھائیں، اہل تصوف بھی مستفید ہوں، محققین بھی اس سے استفادہ فرمائیں اور مبتدی حضرات بھی۔ جس طرح مدرسین کی نظروں میں منظور ہو اسی طرح واعظین کے مطمحِ نظر بھی ہو۔ فقیر قلیل البضاعۃ و عدیم الفرصت کی اتنی جرأت کہاں کہ تفسیر جیسے اہم اور مشکل ترین فن کو اپنائے۔ لیکن فضل ایزدی پر امید رکھ کر روح البیان کے ترجمہ کا آغاز یکم جنوری ۱۹۵۸ء میں کیا اور اختتام ۱۴۰۹ھ، ۱۹۸۹ء میں ہوا'' (یعنی چوالیس سال کی ایک لمبی مدت صرف ہوئی) اس دوران ہزاروں کتب و رسائل بھی تصنیف ہوئے۔''

یہ تفسیر بحمدہ تعالیٰ اصول و ضوابط اور قوانین تفسیر کے عین مطابق ہے اور مخالفین حضرات اسے محض اس لیے غیر معتبر گردانتے ہیں کہ صاحب روح البیان نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور صوفیاء کرام میں سیدنا ابن العربی اور حضرت مولانا روم قدس سرہٗ کا مسلک پیش کیا ہے۔ بعینہٖ یہی ہمارا مدعا ہے اور مخالفین کے لیے موت اور سم قاتل ہے۔ تفسیر ابن کثیر نہ صرف غیر مفید ہے بلکہ اس کا مطالعہ عقائد و مسائلِ احناف کے لیے مضر بھی ہے۔ اور تفسیر ''تفہیم القرآن'' تو ماڈرن دین کا نمونہ ہے۔ اس کے مصنف نے اسلام کا رخ مدینہ منورہ کی بجائے امریکہ و انگلینڈ کی طرف موڑنا چاہا تھا۔ جب کہ روح البیان کا مطالعہ عقائدِ اہل سنت و مسائلِ احناف کو جلا بخشے گا اور حضرت مولانا روم و عارف باللہ سیدنا ابن العربی قدس سرہ کے عارفانہ کلام سے ارواح کو تازگی بخشے گا۔'' (واضح رہے کہ روح البیان میں بکثرت جگہ جگہ عارفانہ و صوفیانہ عربی و فارسی کے اشعار مع ترجمہ مستعمل ہیں جو مولانا روم، ابن العربی، جامی، سعدی اور حافظ شیرازی وغیرہ کے کلام سے لیے گئے ہیں۔ ان اشعار کی مدد سے فہم قرآن میں بہت مدد ملتی ہے۔ اس تفسیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں آیاتِ الٰہیہ کی عالمانہ تفسیر کے علاوہ صوفیانہ تفسیر بھی ساتھ ساتھ پیش کی گئی ہے۔)

مترجم ممدوح کے مطابق کتاب ''اتقان'' میں علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ نے قرآن مجید کی تفسیر کے لیے پندرہ علوم و فنون میں مہارت تامہ کی شرط لگائی ہے اور لکھا ہے کہ جو شخص ان پندرہ علوم و فنون میں سے کسی ایک میں بھی ناقص ہو تو اسے قرآنِ مجید کی تفسیر کرنے کا حق نہیں۔ بعض دیگر مفسرین نے پچیس علوم و فنون کی شرط لگائی ہے۔ مذکورہ پندرہ علوم و فنون کی تفصیلات اس طرح ہیں لغت عربیہ، علم النحو، علم الصرف، علم الاشتقاق، علم المعانی، علم البیان، علم البداع، علم القرأت، قواعد شریعہ، اصول فقہ، علم اسباب النزول، علم ناسخ و منسوخ، فقہ، علمِ الحدیث اور علم الموہبہ۔

''افسوس کہ آج کل بعض حضرات معمولی عربی گرامر جاننے اور اردو کی دو چار کتابیں پڑھنے کے بعد قرآنِ مجید کی تفسیر کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے دور میں تفسیر قرآن کی کوئی قدر نہیں

رہی بلکہ معاملہ الٹا ہوگیا کہ تحقیقی مفاسیر کوضعیف اور غیر تحقیقی کوقوی سمجھا جارہا ہے۔ مثلاً تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ عوام کے سامنے پیش کیا جارہا ہے اور تفہیم القرآن کے مقابلے میں تمام سابقہ تفاسیر کو ہیچ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ایسے ہی سابقہ تفاسیر میں ''تفسیر کبیر'' بلند پایہ سہی مگر شرائط مذکورہ سے یکسر خالی ہے۔ اس لیے علمائے کرام نے فرمایا کہ تفسیر کبیر میں تفسیر کے سواسب کچھ ہے۔ یعنی امام رازی علیہ الرحمہ نے اپنی اس مشہور تفسیر میں بہترین مضامین لکھے مگر تفسیری مضامین یکسر خالی ایسے ہی ''تفسیر ابن جریر'' کو علمائے کرام نے ام التفاسیر کا لقب دیا مگر وہ بھی شرائط مذکورہ پر پوری نہیں اترتی۔ اسی طرح آپ مختلف تفاسیر پڑھ جائیں گے مگر تفسیر شرائط انھیں بہت کم ملیں گی۔ مگر عوام اہلسنت کو یقین رکھنا چاہیے کہ ''تفسیر روح البیان'' نہایت معتبر اور مستند کتاب ہے اور اصول تفسیر کے عین مطابق۔

قارئین کرام نے اب تک روح البیان کا تعارف اور اس کی عظمت واہمیت نیز اس کی انفرادیت پر حضرتِ مترجم کا تبصرہ دیکھا اور پڑھا اب خود حضرتِ مفسر یعنی صاحب روح البیان شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے اس کی خصوصیات ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ: ''اس تفسیر میں بکثرت وجوہِ تفسیر بیان کرنے کے بجائے اختصار کو ملاحظہ رکھکر آیات کے اصل منشاء کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ البتہ مفسرین متقدمین کی معتبر ومستند تفاسیر کا خلاصہ ضرور بیان کیا جائیگا۔ اس سے میری تفسیر کو مقبولیت حاصل ہوگی۔ ہر آیت کے تحت مناسب پند ونصائح ضرور بیان کرونگا تاکہ ان سے قلوب کو جلا اور ارواح کو سرور حاصل ہو۔ موقع کے مطابق عربی، فارسی کے اشعار بھی لکھونگا تاکہ اہلِ دل ان سے روحانی تسکین پائیں۔ جن تفاسیرِ معتبرہ اور کتبِ فقہ واحادیث مبارکہ کا حوالہ دونگا۔ حتی المقدور ان کی اصل عبارت لکھنے کی کوشش کرونگا۔ البتہ کہیں کہیں بوقتِ ضرورت صرف عبارات میں ترمیم واضافہ کرونگا لیکن مطالب ومقاصد میں حبہ بھر بھی فرق نہیں آنے دونگا۔ بہت کم ایسے مواقع آئیں گے جہاں میں اپنا نظریہ (بقول الفقیر) پیش کرونگا لیکن وہ بھی بحمدہٖ تعالیٰ کسی شیخ کامل اور معتبر ولی اللہ کی تقریر کا خلاصہ ہوگا۔''

واضح رہے کہ تفسیر روح البیان کی شرح لکھنے کی مدت تئیس سال ہے۔ اور یہی مدت الوحی بھی ہے۔ حضرتِ مفسر علیہ الرحمہ نے اختتامیہ کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ تفسیر کے سلسلے میں مجھے دور دراز کے علاقوں کے اسفار بھی کرنے پڑے۔ اور بہت مشقت بھی اٹھانی پڑیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ تکمیلِ تفسیر پر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے تئیں اپنی بندگی وغلامی کا والہانہ اظہار اور شکر واحسان مندی کا نذرانہ بھی نچھاور کیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح حضرت مترجم موصوف نے بھی اپنی دیرینہ تکمیل خواہش پر اپنے پروانہ وار جذبات واحساسات کا اظہار کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے تمام معاونین کا بھی نام بہ نام شکریہ ادا کیا ہے۔
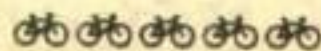
اھل سُنَن کے تین چراغ اب نہیں رہے

از: محبوب اختر مصباحی ماہر ویشیالوی
دعوہ کالج، کوڈمپورا، کالیکٹ کیرالا

شمالی ہند میں تین سال کے اندر تین عظیم المرتبت شخصیت، حضور شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی، رئیس القلم علامہ ارشد القادری (نوراللہ مرقدھم) کے سانحۂ ارتحال سے اہل سنت والجماعت اور خاص کر مسلک اعلیٰ حضرت کو جو نقصان پہونچا وہ تاریخ کے صفحات میں لکھے جانے کے لائق ہے۔

اسی طرح جنوبی ہند "کیرالہ" میں ایک ہی ماہ کے اندر یہ تین کی تعداد حسب ذیل طریقے پر مکمل ہوئی۔ یہ بھی تاریخی صفحات کے سرورق پر رقم کیے جاسکتے ہیں۔ ۱۵ر جولائی ۲۰۰۲ء کی بات ہے کہ "مرکز الثقافۃ السنیہ کالیکٹ کیرالہ" کے پریسیڈنٹ سید عبدالقادر اھدل (آویلت تنگل) کے انتقال پُر ملال کی وجہ سے کیرالا کے اہل سنت و الجماعت کو جو زخم پہنچا تھا، وہ ابھی مندمل بھی نہیں ہوا کہ ایک اور ضرب لگ گئی۔ یعنی ان کے انتقال کے مکمل ایک ماہ بعد ۱۵ر اگست ۲۰۰۲ء جمعرات کی شام "طیبۃ العلماء ملاپرم جامعہ احیائے السنۃ" کے بانی و مؤسس استاذ الاساتذہ، او. کے زین الدین کوئی مسلیار بھی اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ (انا للہ وانا الیہ رجعون) ایسے عظیم شخصیت کی رحلت یقیناً علامہ ارشد القادری (رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت کو دہرائی ہے۔

ایک ملیباری شخص نے مجھ سے پوچھا "کیا آپ او. کے زین الدین کوئی مسلیار (مرحوم) کو جانتے ہیں؟" میں نے نفی میں جواب دیا۔ پھر اس سائل نے خود ہی مجھ سے بتایا" وہ شیخ ابوبکر بن احمد کے خاص استاذ تھے۔ بلکہ اس وقت کیرالہ کے اندر تمام علماء کے استاذ تھے، جنھوں نے "جامعہ احیاء السنۃ" قائم کیا۔ اس کی وجہ تاسیس یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو وہیں انہیں خواب میں رسول پاک ﷺ کا دیدار نصیب ہوا۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا "تم ایک دینی ادارہ قائم کرو جس کا نام "احیاء السنۃ" ہو۔ اس نام کی تجویز کے مطابق انھوں نے حج بیت اللہ کی واپسی پر ایک دینی ادارہ قائم کیا۔ جس کا شمار آج کیرالہ کے بڑے اداروں میں ہوتا ہے۔ اسی خواب کی تعبیر "جامعہ احیاء السنۃ" ہے۔ اسکی تاسیس مرحوم نے خود اپنے ہاتھوں سے کی۔" "وہ شخصیت وہ ذات بھلائی نہ جائیگی۔"

کیرالا کے متعدد اخبارات کے ذریعہ یہ اعلان کرادیا گیا کہ مرحوم کی تدفینی کارروائی ۱۶ر اگست ۲۰۰۲ء بروز جمعہ دس بجے دن میں ہوگی۔ نماز جنازہ کا آغاز سات ہی بجے سے ہوا ہزاروں ہزار کی تعداد میں لوگ آتے گئے اور اپنے (شافعی) مسلک کے مطابق نماز جنازہ پڑھتے گئے۔ یہ سلسلہ مکمل تین گھنٹے تک چلتا رہا۔ چودہ متفرق امام نے مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی، جن میں قابل ذکر ہیں: مرحوم فرزند عبدالسلام مسلیار، سید جمل اللیل تنگل، شیخ عبدالرحمن باوا مسلیار دعوہ کالج کوڈم پورا، ایم. اے عبدالقادر مسلیار جامعہ سعدیہ کاسرگوڈ، سی عبدالرحمن مسلیار وائس پریسیڈنٹ مرکز، تیلکوت اسماعیل مسلیار شیخ الحدیث مرکز، وغیرھم۔

ٹھیک دس بجے دن مرکز "الثقافۃ السنیہ" کے بانی و سربراہ شیخ ابوبکر (طول اللہ عمرہ) نے قبر کے اندر دوزانوں بیٹھ کر تسبیح وتہلیل اور دعا کی، اور قبل جمعہ مرحوم کو سپرد خاک کیا گیا۔ (نور اللہ مرقدہ)

دور دراز سے آنے والے حضرات اپنے (شافعی) مسلک کے مطابق، بعد تدفین بھی، ۱۲ بجے تک نماز غائبانہ پڑھتے رہے۔ پھر کیرالا کی تمام جامع مسجد میں بھی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔

ابھی نہ سید عبدالقادر آویلت تنگل کا یوم چہلم آیا تھا اور نہ ہی او. کے زین الدین مسلیار (رحمہما اللہ) کے وصال کا یوم چہارم، بلکہ ابھی لوگ ان خلاؤں کے پُر ہونے کے منتظر ہی تھے کہ ۱۶ر اگست ۲۰۰۲ء جمعہ کی شام "مرکز الثقافۃ السنیہ" کے وائس پریسیڈنٹ، سی عبدالرحمن مسلیار کا بھی انتقال ہوگیا۔ (باقی صفحہ 84)

خطیب اعظم حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کا ۱۹/واں سالانہ عرس مبارک

عقیدت و احترام سے منایا گیا

۳۶ ملکوں میں یومِ خطیب اعظم منایا گیا

جماعت اہل سنت کے بانی خطیب اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۹/واں سالانہ مرکزی دو روزہ عرس مبارک جامع مسجد گل زار حبیب، گلستان اوکاڑوی، کراچی میں عقیدت و احترام سے منایا گیا۔ ماہ رجب کی تیسری جمعرات 26 ستمبر کو عشاء کی نماز کے بعد خطیب ملت علامہ ڈاکٹر کوکب نورانی اوکاڑوی نے اپنے دونوں بھائیوں ڈاکٹر محمد سجانی اوکاڑوی، صاحب زادہ حامد ربانی اوکاڑوی، علما و مشائخ اور عقیدت مندوں کے ساتھ اپنے والد گرامی علیہ الرحمہ کے مرقد مبارک پر چادر پوشی وگل پاشی سے عرس مبارک کی تقریبات کا آغاز کیا اور فاتحہ خوانی کی۔ عرس شریف کی پہلی نشست میں برطانیہ سے جماعت اہل سنت کے چار رکنی وفد نے بھی شرکت کی۔ الحاج پیر شوکت حسن خاں نوری، صوفی خواجہ محمد اسلام خاں لودھی، پیر صوفی علی حسن، مولانا صوف محمد لطیف نقش بندی، مولانا سید حمزہ علی قادری، مولانا سید مظفر حسین شاہ قادری، مولانا ابرار احمد رحمانی صدیقی، مولانا محمد رمضان گل تر، مولانا گل جہاں صدیقی، مولانا غلام نورانی صدیقی، مولانا عبدالقیوم محمود، مولانا قاری تاج بہادر، مولانا صوفی محمد ریاض قادری، مولانا قاری محمد اشرف سیالوی، مولانا محمد زبیر خاں مکی، مولانا محمد طیب نعیمی، مولانا محمد شفیق نوری، مولانا غلام یاسین گولڑوی، پیر علاء الدین چشتی بابا، صاحب زادہ محمد فضل الرحمٰن اشرفی، مولانا صوفی محمد حنیف نقش بندی و دیگر نمایاں طور پر شریک تھے۔ جماعت اہل سنت برطانیہ کے مولانا پیر محمد مصباح المالک لقمانوی، حافظ سعید احمد مکی، صاحب زادہ مطلوب الرحمٰن اور راجا ظہیر نے خصوصی شرکت کی۔ عرس مبارک کی دوسری نشست جمعہ 27/ستمبر کو ہوئی۔ نماز جمعہ سے قبل قرآن خوانی ہوئی، نماز جمعہ کے بعد ختم غوثیہ اور قصیدہ غوثیہ کا ورد کیا گیا۔ حضرات کی طرف سے 860 مرتبہ قرآن کریم کی مکمل تلاوت اور بارہ لاکھ مرتبہ درود شریف، گیارہ سو اکہتر قرآنی پاروں، 19716 قرآنی سورتوں اور دیگر اوراد کا ہدیہ اور خواتین کی طرف سے 1114 مرتبہ قرآن کریم، چار کروڑ پچاس لاکھ مرتبہ درود شریف اکیس لاکھ دس ہزار دو سو مرتبہ کلمہ طیبہ اور ایک لاکھ اٹھائیس ہزار ایک سو چودہ مرتبہ سورۂ یاسین شریف کے ورد کا ہدیہ پیش کیا گیا۔ صاحب زادہ محمد فضل الرحمٰن اشرفی، مولانا ریاض الدین قادری، سابق ڈپٹی کمشنر عمران الحق اور متعدد شخصیات نے شرکت کی۔ دنیا بھر کے 36 ملکوں کی مساجد اہل سنت میں سالانہ یوم خطیب اعظم منایا گیا اور ایصال ثواب کے لیے فاتحہ خوانی ہوئی، اخبارات و جرائد میں خصوصی مضامین شائع ہوئے۔ اختتامی دعا علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی نے کی۔ گل زار حبیب ٹرسٹ، حلقہ معصومیہ، بزم فیضان وارثی، جمعیت اشاعت اہل سنت، انجمن مجاہدین مصطفیٰ، جماعت نوری شریف اور متعدد سنی تنظیموں نے مزار شریف پر پھولوں کی چادریں چڑھائیں۔ مقررین نے حضرت خطیب اعظم پاکستان کو والہانہ خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی شخصیت، خدمات اور ان کی عظمت و مرتبت کا تذکرہ کیا۔ عرس شریف کے موقع پر مسجد و مزار شریف پر چراغاں کیا گیا۔ ملک اور بیرون ملک سے عقیدت مندوں کی بڑی تعداد نے تقریبات میں شرکت کی۔ 20 واں سالانہ عرس مبارک 18. 19 ستمبر 2003 کو انشاء اللہ منایا جائے گا۔ بنگلہ دیش سے مولانا محمد ادریس رضوی، مولانا محمد بدیع العالم رضوی، برطانیہ سے مولانا محمد بوستان قادری، مولانا قاری خلیل احمد حقانی، پیر سید منور حسین شاہ جماعتی، امریکا سے جناب لئیق بیگ، مولانا غفران صدیقی، جنوبی افریقا سے مولانا مفتی

محمد اکبر ہزاروی، مولانا محمد بانا قادری، جنوبی امریکا سے مفتی محمد اسلم نعیمی، ماریشس سے مولانا فضل احمد، بھارت سے محمد زبیر قادری، کویت سے حاجی عبدالرزاق، سوئزرلینڈ سے ایس اے گیلانی، متحدہ عرب امارات سے مولانا غلام رسول نے بتایا کہ ان ممالک کی مساجد اہل سنت میں سالانہ یوم خطیب اعظم احترام و اہتمام سے منایا گیا۔ عقیدت مندوں نے ایصال ثواب کے لیے عمرہ طواف کیے۔ اس سال بھی مولانا اوکاڑوی اکادمی (العالمی) نے عرس شریف پر سالانہ یادگاری مجلّہ شائع کیا اور دنیا بھر میں علماو مشائخ، تنظیموں، اداروں اور لائبریریوں میں بھجوایا۔

اخبارِ رضا

☆ عرسِ قاسمی مارہرہ شریف میں ۲۵ تا ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۲ء انعقاد پذیر ہوا۔ جو بڑی شان وشوکت کے ساتھ منایا گیا۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ بیرون ممالک سے بھی کثیر تعداد میں اہل عقیدت نے شرکت کی۔ اس موقع پر خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے ترجمان "اہلِ سنت کی آواز" (سالانہ مجلّہ) کا اجراء ہوا۔اس شمارہ میں "اسلام میں نظامِ اخلاق" کے موضوع پر خصوصی گوشہ شامل ہے۔ ☆ امسال عرسِ قاسمی، مارہرہ شریف میں ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور کے خصوصی شمارہ "سیدین نمبر" کا اجراء کیا گیا۔ ☆ سہ ماہی "بلال" چیف ایڈیٹر محمد علی اعظم خان قادری کی ادارت میں کلکتہ سے جاری ہوا ہے۔ رابطہ کا پتہ: آستانہ مدنی شاہ، ۶۔اے، سنبھو چٹر جی اسٹریٹ، کولکاتہ۔ ۷۔ قیمت: ۱۰ روپے۔ ☆ مولانا محمد ادریس رضوی ایم۔ اے (خطیب و امام سُنّی جامع مسجد، پتری پُل، کلیان) نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ۱۴ نعتوں پر تضمین نگاری کر کے "نغماتِ بخشش" کے نام سے شائع کی ہے۔ جسے غوث الوریٰ اکیڈمی و انجمن فیضانِ رضا، کلیان نے شائع کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ ☆ المجمع المصباحی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی نے مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی تحریر کردہ چار کتابیں شائع کی ہیں۔ (۱) "اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصوّرِ روحانیت" قیمت: ۱۵ روپے۔ (۲) "مدارس اسلامیہ تاریخ وحقائق کے اجالے میں" (۳) "جہان رئیس القلم" (۴) "برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب"۔ ☆ "دہشت گردی اور اسلام" مرتبہ علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی' الدارالسنیہ، ۹۵، اُندریا اسٹریٹ، ممبئی۔۸ نے شائع کردی ہے۔ قیمت: ۱۶/روپے ☆ سُنّی یوتھ فیڈریشن، ۱۶۷، ڈم ٹھکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔۸ نے تین کتابوں کے انگریزی تراجم شائع کیے ہیں۔ (۱) A Call for Islam (دعوتِ انصاف) مصنف: علامہ ارشد القادری، قیمت: ۱۸/روپے (۲) What is Bid'at in Islam مصنف: مفتی احمد یار خان نعیمی، قیمت: ۱۲/روپے (۳) Tauheed or Shirk مصنف: علامہ سید سعید احمد کاظمی، قیمت: ۸/روپے۔ ☆ "پردہ اُٹھتا ہے" مصنف: ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری، نوری مشن، مالیگاؤں نے شائع کرکے عام کی ہے۔ ☆ "اعلیٰ حضرت کا سفرِ مدینہ" ناشر مدرسۂ غوثیہ اشرف العلوم، رسول آباد، کھاڑی پار، بھیونڈی نے شائع کی ہے۔ قیمت: ۱۵/روپے۔

R.N.I. REGISTRATION NO. : 71248/99
تحریکِ فکرِ رضا
ہمارے مقاصد:
☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔
☆ علماءِ اہلِ سنّت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔
☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔
☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔
☆ اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔
☆ ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔
فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجئے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مدد گار ہوگا۔
بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب
پیشکش:۔ محمد احمد ترازی